محمود اور فردوسی

مصنفہ
قاضی عبدالصمد سیوہاروی

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا

حق آیا جھوٹ مٹ گیا، جھوٹ مٹنے ہی کے لئے ہے

۹۲۸۵۹۱۵۱
ف ۸ د

محمود اور فردوسی

مرتبہٗ

قاضی عبد الصمد فاضل دیوبند مصنف ارجین اعظم و ضروری کہانیاں و سودیشی اردو ابن قاضی ظہور الحسن ناظم متوطن سیوہارہ ضلع بجنور

اطلاع

بغیر اجازت مؤلف کوئی صاحب قصد طبع نہ فرماویں

باہتمام حکیم ذکی احمد خان
مطبع برقی پریس واقع بلیماران دہلی

قیمت فی جلد علاوہ محصول ڈاک ۸/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض حال

مدت دراز سے محترم سلاطین اسلام پر مخالفین کی طرف سے اعتراضوں کی بوچھار ہو رہی ہے ہر خادم اسلام کا فرض ہے کہ ان بدنما دھبوں کو دور کرنے کی سعی کرے مگر اس طرح کہ صداقت و متانت کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے سلطان محمود غزنوی مرحوم پر جو اعتراضات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سلطان نے فردوسی شاعر کے ساتھ وعدہ خلافی کی، اس اعتراض کے جواب میں فقیر نے برسیں گذریں کہ اخبارات میں مضامین شائع کرائی تھے جن کو ان اخبارات سے دوسرے اخباروں نے نقل کر کر کے شایع کیا، حیدرآباد کے ایک معارف نواز امیر نگری مولوی سیّد خورشید علی صاحب بہادر ناظم دیوانی و ملکی نے ارشاد فرمایا کہ ان مضامین کو بصورت کتاب مرتب کیا جائے۔ خاکسار نے سنہ ۱۹۲۹ء میں ان مضامین سے ایک رسالہ ترتیب دیکر از نام محمود اور فردوسی ماہرین فن تاریخ کی خدمت میں پیش کیا سب حضرات نے پسند فرمایا۔ جناب مسٹر راون خان صاحب شروانی

بی۔اے آکسن بیرسٹر ایٹ لا صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ وجناب ڈاکٹر ابن حسن صاحب پی۔ایچ۔ڈی پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ وجناب مسٹر جمیل الرحمن صاحب ایم۔اے پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ وجناب مولوی سید ہاشمی صاحب مصنف تاریخ ہندوستان نے رسالہ مذکور پر تقاریظ لکھیں جو رسالہ مذکور کے ساتھ شائع ہوئیں۔ سب کا نقل کرنا موجب طوالت ہوگا۔ صرف ڈاکٹر ابن حسن صاحب کی رائے نقل کیجاتی ہے۔

وھوھذا

اس دور کے متعلق انگریزی میں جو تاریخیں مروّج ہیں ان سب میں فردوسی کا قصہ درج ہے، اکثر مصنفین نے اِسے صحیح تسلیم کرنے میں تامل کیا ہے اور بعض نے ایک حد تک سلطان کی حمایت بھی کی ہے لین پول نے سلطان کی فیاضی اور علم پروری کی مثالیں دے کر بخل کے الزام کو رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ الفنسٹن محمود کے اس فعل کو قابل ستایش تصور کرتا ہے کہ اس نے ہجو کی پروانہ کی، اور انعام میں مزید اضافہ کیا۔ سر ولزلی ہیگ نے کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم مطبوعہ ۱۹۲۸ء میں اس وعدہ خلافی کو سلطان کی بخل کے بجائے درباریوں کے حسد پر محمول کیا ہے لیکن ان سب باتوں سے اصل واقعہ کی تردید نہیں ہوتی، قاضی ظہور الحسن صاحب نے نہایت مدلل اور واضح طور پر اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ سلطان نے فردوسی سے شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی اور نہ کسی قسم کے انعام کا وعدہ کیا اور نہ فردوسی نے

مایوس و متاثر ہو کر ہجو لکھی۔ سلطان محمود جیسے علم پرور اور علم دوست فرمانروا پر ایک علمی معاملہ میں بخل کا الزام اور دربار کے ایک شاعر کے ساتھ وعدہ خلافی کرنا درحقیقت اس کے کیریکٹر پر ایک بدنما داغ ہے جو اس رسالہ سے قطعی طور پر دور ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک مصنف صاحب نہ صرف تاریخ سے واقف ہیں اور تحقیق کا شوق رکھتے ہیں بلکہ انہیں فارسی ادب پر بھی عبور حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اس قدر خوبی سے اس مسئلہ کو واضح کر سکے ہیں، ان کا یہ رسالہ تاریخ نیز ادبی حیثیت سے قابل وقعت ہے اور وہ اپنی اس کامیابی پر قابل مبارکباد ہیں)

اشاعت کے بعد ۲۵ پچیس موقر جراید اور رسائل نے حوصلہ افزا ریویو کئے وہ تمام اخبارات نہ میرے پاس محفوظ ہیں نہ اب ان سب کے نام مجکو یاد ہیں، جو یاد ہیں یا موجود ہیں انکے صرف نام لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ تمام تبصروں کا نقل کرنا طول بیجا ہوگا، کوئی ایک رائے نقل کردیجائے گی،

اخبارات ہمدم و سچ لکھنؤ۔ زمیندار لاہور۔ مدینہ بجنور۔ نظام گزٹ و صبح دکن، ورہبر دکن حیدر آباد، الکلام بنگلور، خلافت بمبئی۔

رسائل، اردو اورنگ آباد۔ عالمگیر و ہمایوں لاہور۔ ضیار القریش امرتسر تاریخ حیدرآباد۔ علیگڈھ میگزین۔ معارف اعظم گڈھ۔ جامعہ دہلی

اخبار سچ لکھنؤ میں جناب مولانا عبدالماجد صاحب بی۔ اے دریابادی اڈیٹر سچ کا تبصرہ

(مسلمان حکمرانوں کو تاریخ میں جس طرح بدنام کیا گیا ہے اس کا اندازہ ہر وہ

شخص کر سکتا ہے جس نے انگریزی دور کی لکھی ہوئی تاریخ کی دو چار کتابیں بھی دیکھی ہیں۔ نفس پرستی، حرص، سفاکی، تعصب، شقاوت، غارت گری کون سا الزام ہے جو اورنگ زیب، ٹیپو، غزنوی، غوری کے لئے اُٹھا رکھا ہے۔

قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی نے ان نیک ناموں کے دامن سے بدناموں کے داغ دھونے اور ان کے متعلق تاریخی اغلاط کی تصحیح کرنے کو قلم اُٹھایا ہے۔ محمود اور فردوسی خاصی مورخانہ کاوش سے لکھا گیا ہے غزنوی کی فہرست جرائم کا ایک اہم عنوان یہ ہے کہ اس نے فردوسی سے معقول انعام کا وعدہ کر کے شاہنامہ لکھوایا اور اس کے ختم ہونے پر اپنا انعام موعود نہ دیا، اس پر فردوسی نے ناخوش ہو کر ایک ہجو کہدی جو گھر گھر پھیل گئی۔ جناب مؤلف نے ایک شافی و بسوط بحث کے بعد اس روایت کے ہر ہر جز کا افسانہ ہونا ثابت کیا ہے)

فقیر نے اس کتاب کو مجلس انتخاب کتب سررشتہ تعلیم دولت آصفیہ دکن صانہا اللہ عن الشر والفتن میں بھی پیش کیا تھا مجلس موصوف نے اس کو کتب خانوں کے لئے منظور فرمایا اس کے متعلق ایک مراسلہ انسپکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم صوبہ اورنگ آباد نے جاری فرمایا تھا وہ اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

(مولوی قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم نے ایک کتاب بنام محمود اور فردوسی تالیف کر کے حسب ایما مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات نشان (۷۳۶) مورخہ ۱۳ اردی بہشت سنہ ۱۳۳۹ف اس کا ایک نسخہ نمونتاً دفتر ہذا پر

ارسال فرمایا ہے۔ کتاب مذکورہ میں سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ اور اس کے درباری شاعر فردوسی کے معاملہ کی نہایت محنت و کاوش سے تحقیق کرکے الزامات منسوبہ کا بطلان کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ تاریخی و ادبی حیثیت سے قابل وقعت ہے، آجکل اس قسم کے رسالوں کی جن میں شاہان اسلام کی بدنامی کو دور کرنے کی کوشش کیجائے بہت ضرورت ہے تاکہ مدرسین و طلبہ اصل حقیقت سے آگاہ ہوں، لہٰذا مدارس وسطانیہ کے کتب خانجات کیلئے اس کتاب کو خرید کرنے کی سفارش کیجاتی ہے)

چونکہ اس مسئلہ پر یہ پہلی کتاب تھی اور اخبارات و رسائل نے اس کی خوب تعریف لکھی اس لئے ہاتھوں ہاتھ بکل گئی اور فرمایشات کا سلسلہ قایم رہا جو آج تک چھ برس گذرنے کے بعد بھی قایم ہے اس کتاب کے باعث تالیف جناب مولوی سید خورشید علی صاحب نے بار بار ارشاد فرمایا کہ دوبارہ شائع کرائی جائے میں چونکہ دیگر ضروری تالیفات میں مشغول تھا، نیز اس میں اضافہ کی ضرورت بھی محسوس ہوئی۔ اس لئے میں نے جناب موصوف سے بھی عذر کردیا، الحمد للہ کہ میرے نور نظر برخوردار قاضی حسن مصطفےٰ عرف عبد الصمد سلمہ الاحد نے ضروری اضافہ اور ترمیم کے ساتھ اس کو مرتب کردیا۔ اب اس کا حجم سابق سے دوچند ہوگیا ہے۔ اور یہ رسالہ

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

کا صحیح مصداق ہوگیا، ارباب نظر پر روشن ہوجائیگا کہ برخوردار موصوف نے بہت ہی کد و کاوش و تحقیق و تدقیق سے کام کیا ہے اور جن حضرات نے

سابقہ رسالہ ملاحظہ فرمایا ہوگا، ان کو یہ کتاب ہی دوسری معلوم ہوگی، میں نے رسالہ سابقہ میں چہار مقالہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا تھا، اس رسالہ میں اس پر کافی بحث ہے اور یہ نہایت ضروری کام تھا۔ میں نے صرف سترہ نسخوں کا پتہ دیا تھا جن سے موجودہ شاہنامہ مرتب ہوا ہے برخوردار موصوف نے تیئیس نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ میں نے فردوسی کے دیگر حالات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس رسالہ میں نہایت مختصر طور پر فردوسی کے ضروری حالات بھی ہیں اور بعض جدید عنوان ہیں، بعض قدیم عنوانوں میں اضافہ ہے چونکہ یہ کتاب ہی نئی کتاب ہوگئی ہے۔ اس لئے میں نے برخوردار موصوف کو اجازت دی کہ وہ اس کو اپنی تصنیف قرار دے کر شایع کریں۔

خداوند ذوالجلال برخوردار موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور انکی عمر اور علم و عمل و صحت و اعمال صالحہ میں برکت عطا فرمائے۔ ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمیں باد

حقیر فقیر
قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی
بمقام حیدرآباد دکن
مارچ ۱۹۳۵ء

علمِ تاریخ

اس میں شک نہیں کہ علم تاریخ انسان کے لئے ایک ضروری اور کارآمد علم ہے۔ حکیم بزرجمہر کا قول ہے (کہ علم تاریخ صحیح اور درست رائے کا معین ومددگار ہوتا ہے اس لئے کہ متقدمین کے حالات سے متاخرین کو صحیح رائے قایم کرنے کا موقع ملتا ہے) لیکن یہ نتیجہ جب ہی برآمد ہوسکتا ہے کہ تاریخ کو صحت کے ساتھ مرتب کیا جائے، بصورت دیگر بجائے نفع کے نقصان ہوگا نہیں کہا جاسکتا کہ دنیا میں کب سے اور کس صورت سے اس علم کی بنیاد پڑی اور اس نے کیسے کیسے رنگ بدلے، اب قدیم سے قدیم اس کے متعلق جو سامان نظر آتا ہے وہ پرانے زمانے کے قصص وحکایات ہیں جو زبانی روایات کے ذریعہ سے چلے آتے ہیں، ان حکایتوں میں امتداد زمان و تبدل مکان سے ایسا تغیر ہوگیا ہے کہ اصل حقیقت تو معدوم ہوگئی بس قصے ہی قصے رہگئے۔ انہیں قصص سے تاریخیں مرتب کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر سنویں لکھتے ہیں (قدیم تاریخوں کا زیادہ حصہ بالکل افسانہ ہے کیونکہ ہر قوم اپنے حالات ابتدا میں لکھنے سے مجبور تھی۔ بعض واقعات زبانی ایک دوسرے سے سنکر تحریر کئے ان روایات میں تغیر و تبدل قصداً وسہواً ہوگیا ہے جو تاریخ کو حقیقت سے دور کرتا ہے۔ تاریخ ملل قدیم ص۹) یہ حالت ساتویں صدی عیسوی تک کی تاریخوں کی ہے اور ان تاریخوں کی تعداد نہایت ہی قلیل ہے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے قرآنجید نازل ہونا شروع ہوا۔ قرآن میں خداوند ذوالجلال نے اپنے بندوں کو دیگر مفید امور کی طرح اس فن کی طرف اس طرح متوجہ کیا کہ امم سابقہ کے حالات بیان فرمائے اور ارشاد فرمایا لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب یعنی ان کے قصوں میں اہل نظر کے لئے عبرت کا سامان ہے)۔

ساتویں صدی عیسوی سے مسلمانوں نے اس فن کی بنیاد اس طرح قایم کی کہ افسانہ سازی کو چھوڑ کر راست راست حالات لکھنے شروع کئے اگر نظر غور و انصاف سے دیکھا جائے تو اصل علم تاریخ کے وجود میں آنے کا یہی زمانہ ہے اور مسلمان ہی اس کے موجد ہیں اگر مسلمانوں کا قدم بیچ میں سے نکال دیا جائے تو علم تاریخ کا پتہ بھی نہ چلے۔

قدیم زمانے میں ریل، تار، ڈاک وغیرہ تو تھے نہیں۔ خبر رسان انجنیاں اور اخبارات بھی نہ تھے۔ قرب و جوار کے مقامات میں بھی پہونچنا مشکل تھا اس لئے مصنفین و مورخین جو سنتے تھے بغیر روئے و رعایت وہی لکھدیتے تھے۔

ایسا بھی ہوتا تھا (اور اب بھی ہوتا ہے) کہ بعض لسان سیاح قسم قسم کی حکایات و واقعات خود تراشیدہ بیان کرتے تھے اور بعض واقعات میں ردوبدل کرکے بیان کرتے تھے۔ بعض واقعات زبانوں پر چڑھتے چڑھتے کچھ سے کچھ ہو کر مشہور ہو جاتے تھے۔

ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک عادل حکمران کے ملک میں کسی سیاح یا تاجر کو کچھ نقصان یا تکلیف اتفاقاً پہونچی یا کسی شہ میں ایک رحمدل حاکم نے کسی پر سختی کی یہ مظلوم جب دوسرے ممالک میں گیا تو اس مملکت کی داستانِ ستم ہی بیان کی۔ اس طرح بہت سی بے سر و پا باتیں بہت سے بے اصل امور مشہور ہو کر مصنفین تک پہونچ کر ضبطِ تحریر میں آئے۔

ہم ان مصنفوں یا اس زمانے کو کیوں الزام دیں جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں کہ روشنی کا زمانہ مشہور ہو گیا ہے ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں ہر قسم کے اسباب و سامان مہیا ہیں مگر ایک شہر کی خبر دوسرے شہر تک صحیح نہیں پہونچتی۔ اس زمانے کی معتبر خبر رسان ایجنسیاں کئی دفعہ انور پاشا اور لارڈ کچنر کو چشمدید شہادتوں کے بیان پر زندہ کر چکے اور مار چکے ہیں۔ یہ کیا روزانہ خبروں کی تکذیب و تصدیق کا سلسلہ جاری ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

گھر سے خط آیا ہے کل ہو گیا چہلم اُن کا
پانیر لکھتا ہے، بیمار کا حال اچھا ہے

جب اس زمانہ میں یہ حالت ہے تو ہم متقدمین کو کیوں الزام دیں۔

سترہویں صدی عیسوی سے علم تاریخ میں تغیر عظیم واقع ہوا ہے یعنی اس علم کو ایسی ترقی ہوئی کہ خاص و عام اس سے واقف ہو گئے۔ کثرت سے تصانیف ہوئیں، نئے نئے طرز پر کتابیں مرتب ہوئیں، آثار قدیمہ کی مدد سے بہت سے انکشافات ہوئے۔ قدیم زمانے کے شہروں، مکانوں کے کھنڈرات

کھود کر نکالے گئے، کتبات، سکے، زیورات، برتن، آلات وغیرہ برآمد کیے گئے ان کے ذریعہ سے قرائن قائم کرکے تاریخوں میں اضافہ کیا گیا۔ کچھ شک نہیں یہ ترقی ایسی ترقی ہے کہ جو علم تاریخ کو اس درجہ پر کبھی نصیب نہ ہوئی تھی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ جس طرح تجسس و سعی بے پایاں سے اس علم کو بڑھایا گیا، اسی طرح اکثر مورخوں نے مذہبی یا نسلی تعصب یا کسی پالیسی کے تحت میں تاریخی روایات کو مسخ کیا اور بعض نے سمر و یا افسانوں، بازاری گپوں کو اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے تاریخی روایات کا درجہ دیا اور اس طرح علم تاریخ کے فوائد کو برباد کیا۔

ان حالات پر نظر کرتے ہوئے کسی روایت کو صحیح قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماخذ پر نظر کیجائے کہ اس میں کوئی نقص تو نہیں راویوں کے لب و لہجہ کو دیکھا جائے ان کی غرض بیان پر غور کیا جائے کہ تعصب یا طرفداری کو تو دخل نہیں۔

جس شخص کے متعلق وہ روایت ہے اس کے دیگر ذاتی حالات اسکے قومی و مذہبی و ملکی مراسم و رواجات، اس کے معاصرین اور اس عہد کے حالات پر نظر کرکے اس روایت کا موازنہ کیا جائے اسقدر کد و کاوش کے بعد صحیح نتیجہ پر پہونچنا ممکن ہے۔

مورخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب علم، اہل عقل سلیم، متدین اور غیر متعصب ہو اور جو شخص علم تاریخ سے فائدہ اٹھانا چاہے اس کے لئے بھی ان اوصاف کی ضرورت ہے، اچھے اور برے، ظالم و عادل، سخی و بخیل ہر

ملک و قوم و ملت اور ہر زمانے میں ہوئے ہیں۔ اگر مورخ کے نزدیک کوئی شخص بُرا ثابت ہو تو اس کو ایسے انداز سے بیان کرے کہ جس سے نسلی و مذہبی تعصب توہین و تضحیک کو لگاؤ بھی نہ ہو۔ ان احتیاطوں کے برتنے کی اس وقت اور بھی زیادہ ضرورت ہے جبکہ کسی قوم کی مقتدر ہستی پر کوئی الزام آتا ہو بلکہ ایسے موقعہ پر کسی قدر حسن ظن سے بھی کام لینا چاہیئے۔

آمدم برسر مطلب

سلطان محمود غزنوی کو ہندو اور انگریز بھی مانتے ہیں کہ قرون وسطیٰ کا فاتح اعظم، بہادر، علم دوست اور سخی تھا۔ مسلمان اس کے علاوہ اس کو مذہب اسلام کا ایک متبحر فاضل اور بزرگ بھی سمجھتے ہیں، فقہ اسلام کے متعلق اس کی تصنیف کتاب التفریق مشہور ہے جس میں ساٹھ ہزار مسایل ہیں لیکن بعض مورخین نے اس عادل و عالم سلطان کو بدنام کرنے میں ایسی کوشش کی ہے کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں۔ بعض غیر مسلم مورخین نے دلخراش الفاظ میں سلطان پر الزام لگائے ہیں اور اس کی پروا نہیں کی کہ مسلمانوں کی کس قدر دل آزاری ہوگی ذرا وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھکر دیکھتے کہ اگر ان کی قوم کے کسی مقتدر فرد پر اس طرح حملے کئے جاتے تو ان کا دل کیا کہتا۔

سلطان مرحوم کے متعلق محض نسلی و مذہبی تعصب اور خود غرضی کی وجہ سے بہت سی بازاری گپوں کو تاریخی درجہ دیکر اس فاتح اعظم کو بدنام کیا گیا ہے اور اس کی طرف سے نفرت پھیلائی گئی ہے۔

بعض کج فہم مصنفوں نے ان گپوں کو قومی و مذہبی صداقت کا معیار قرار دیا ہے وہ نہیں جانتے کہ اگر وہ الزامات صحیح بھی ہوں تو سلطان محمود ہوں یا کوئی اور اُن کے اقوال و افعال کا قوم و مذہب پر کیا اثر ہے۔ اسلام نے تو اس معاملہ کو بالکل صاف کر دیا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے سوا کوئی شخص منزہ من الخطا نہیں اور حضور علیہ السّلام کے قول و فعل کے خلاف کسی امام یا عالم کا قول معتبر نہیں بادشاہ تو کس شمار و قطار میں ہیں۔

سلطان مرحوم پر جس قدر الزامات لگائے گئے ہیں ان کا قلع قمع میرے والد ماجد مدظلہ نے اپنی کتب غازیان ہند و تصحیح التاریخ میں اس طرح کیا ہے کہ ان کے جواب میں آج تک کسی کو لب کشائی کی جرأت نہیں ہوئی۔

سلطان مرحوم پر جو الزامات لگائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سلطان نے فردوسی شاعر سے شاہنامہ نظم کرنے کی فرمائش کی اور فی شعر ایک اشرفی انعام مقرر کیا۔ جب فردوسی ساٹھ ہزار اشعار کہہ کے لے گیا تو سلطان بجائے اشرفیوں کے روپے دینے لگا، فردوسی ناراض ہو کر چلا آیا اور سلطان کی ہجو لکھی۔

اس روایت کو طرح طرح کی رنگ آمیزی، دل خراش عبارت و الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس زمانے میں مسلمانوں نے بھی تاریخیں تصنیف کی ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ذاتی تحقیق و تدقیق سے کام نہیں لیا۔ تقلید ہی کی بعض نے اس حکایت کو نقل کیا بعض نے چھوڑ دیا ؎

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند　　سعدی از دستِ خویشتن فریاد

بعض نے صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کیا کہ یہ قصہ غلط ہے لیکن مخالفین کے پیدا کردہ مفاسد کا دفعیہ اس ایک جملہ سے نہیں ہو سکتا۔ ضرورت تھی کہ اس روایت کی پوری تنقید و تحقیق کر کے دکھایا جاتا۔ اس حکایت کی تحقیق میں والد ماجد مدظلہ نے از نام محمود و فردوسی ایک کتاب ۱۹۲۹ء میں شایع کی جو اس مسئلہ پر سب سے پہلی کتاب ہے اسی کو میں اب کچھ اضافہ اور ترمیم کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

اس تحقیقات کو پیش کرنے سے قبل میں اپنے مسلمان بھائیوں سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے اعتراضات دیکھکر بغیر کافی تحقیق کے اُن کو شبہات میں نہ پڑنا چاہیئے اور کسی مخالف کے اعتراض یا دلخراش عبارت سے مشتعل نہ ہونا چاہیئے بلکہ اگر قدرت ہو تو معترض کے اعتراض کا جواب تہذیب و متانت کے ساتھ دینا چاہیئے اور کسی سخت متعصب و معترض سے بھی دل میں کسی قسم کی کدورت و کاوش نہ رکھنی چاہیئے ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حسن اخلاق اور تحمل کی تعلیم فرمائی ہے اور دشمنوں سے بھی نیک سلوک کی تعلیم فرمائی ہے

نمی خواہم کہ در عالم دلے از من غمیں باشد
ز فیض دوستی آگاہ فرما دشمنانم را

احقر عبد الصمد

روایت سازی

تاریخ عالم کھلے منہ گواہی دے رہی ہے کہ دنیا میں کوئی ملک کوئی قوم کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں اختلافات نہ ہوئے ہوں اور ان اختلافات کے سلسلہ میں مذہبی روایات اور تاریخی حکایات نہ گھڑی گئی ہوں، ایک فریق نے دوسرے فریق کی مشاہیر کی تنقیص نہ کی ہو، اہل سیف نے دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا، اہل قلم نے تالیف و تصنیف زور تحریر و تقریر سے مخالفوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کی، اہل دول نے فریق مقابل کو زیر کرنے کے لئے پانی کی طرح دولت کو بہایا۔

ہر فریق کو اپنے خیالات ثابت کرنے اور تقویت دینے کے لئے متقدمین کے اقوال و نظایر کی ضرورت ہوئی۔ اس کی تکمیل کیلئے روایات میں تاویلات بھی کی گئیں، نئی روایتیں بھی تصنیف کی گئیں، دوسرے فریق کے مشاہیر کو نظروں سے گرانے کیلئے الزامات بھی تراشے گئے۔

اسلام میں بھی خلافت ثالثہ کے دور آخر سے اختلاف رونما ہوا یہ اختلاف کچھ دنوں تک تو سیاسی رہا پھر مذہبی رنگ پکڑ گیا اور روایت سازی کا سلسلہ شروع ہوا، روایت ساز فرقوں میں ایک فرقہ ایسا مستعد اور تیز رو تھا کہ اُس نے مذہبی روایات سے بھی آگے قدم بڑھایا۔ تاریخی حکایات تصنیف کیں۔ حتیٰ کہ شعرا کے دواوین و مثنویات کو بھی تحریف سے خالی نہ چھوڑا۔

مولانا روم، حافظ شیرازی، شیخ سعدی، شمس تبریز، خواجہ عطار یہ حضرات بزرگان اہل سنت والجماعت میں سے ہیں لیکن ان کے نام سے ایسے اشعار بھی مشہور ہیں اور ان کے دواوین میں ایسا کلام بھی ہے جو سراسر اُن کے عقاید کے خلاف ہے۔

تاریخیں اور دواوین وغیرہ تو کس شمار و قطار میں ہیں علم حدیث جسکی تکمیل و حفاظت کے لئے سو سے زیادہ فنون ایجاد ہوئے جس کی حفاظت میں ائمہ دین نے جان لڑا دی تحریف کی زد سے نہ بچ سکا۔ آج دنیا میں ہزاروں موضوع حدیثیں موجود ہیں۔ ائمہ دین کو اس طوفان بطالت میں علوم دینیہ ہی کا بچانا مشکل ہو رہا تھا وہ اور کسی طرف کیا متوجہ ہوتے

غرض دنیا میں کوئی کتاب سوائے قرآن مجید کے ایسی نہیں جو تحریف سے بچی ہو۔ سر ولیم میور قرآن مجید کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کوئی کتاب بارہ سو برس سے ایسی نہیں ہے کہ اس کی عبارت اتنی مدت تک خالص رہی ہو" (معجزات اسلام ص۱)

قرامطہ

مسلمانوں میں ایک فرقہ پیدا ہوا جو قرامطہ کے لقب سے مشہور ہوا اس گروہ کے آدمی روایت سازی، ریشہ دوانی، سازشوں کے علاوہ ائمہ و علما و سلاطین اہل سنت کو دغا فریب سے قتل بھی کرتے تھے۔ ان کی اس قسم کی کاروائیوں سے تاریخ کی مجلدات پُر ہیں۔ قرامطہ اور انکی

شاخوں کے اہل علم نے روایت سازی کے لئے عجیب و غریب طریقے اختیار کئے بعض اپنے نام اور تخلص وہی قرار دئے جو بزرگان و علماء و شعرائے اہل سنت کے تھے اور ان کے نام سے کتابیں اور اشعار تصنیف کر کے مشہور کئے، ایک شخص شافعی نام گذرا ہے اس کے قطعات حضرت امام شافعی کیطرف منسوب کئے جاتے ہیں ہم ایک جعفی المذہب شخص نے (جو فرقہ امام حسن عسکری کے بھائی جعفر کی امامت کا قایل ہے جعفی کہلاتا ہے) عطار تخلص کر کے چند نظمیں حضرت خواجہ فرید الدین عطار کے نام سے مشہور کیں۔ اسی کی تصنیف کتاب لسان الغیب ہے جو خواجہ عطار کی طرف منسوب کیجاتی ہے اس کتاب کے متعلق مرزا محمد بن عبد الوہاب قزوینی لکھتے ہیں۔

(اس کتاب کی لغویت اور عطار کے نام پر افترا ہونے کے راز سے ناواقف نہ رہیئے۔ مقدمہ تذکرہ عطار)

مثنوی اسرار الشہود بھی شیخ عطار کے نام پر مشہور ہے حالانکہ وہ شمس الدین محمد لاہجی اسیری کی تصنیف ہے اور اس میں اسیری نے اپنے مرشد سید نوربخش (جن کی طرف فرقہ نوربخشیہ منسوب ہے یہ مرید تھے خواجہ اسحاق ختلانی کے اور وہ مرید تھے سید علی ہمدانی کے) کی مدح کی ہے اس کا شعر ہے ؎

آمدہ از غیب نامش نوربخش بود چون خورشید بامش نوربخش

سید نوربخش اور شیخ عطار کے درمیان تقریباً دو سو برس کا زمانہ ہے خواجہ عطار کی تصانیف پر ان لوگوں کو دست درازی کا اچھا موقع ملا کیونکہ خواجہ ہی کے عہد میں ہلاکو خان نے ممالک اسلامیہ کو برباد کیا۔

اور خواجہ کی کوئی تصنیف ان کے سامنے مکمل نہ ہوئی، ان کے نام سے اب سو کتابیں مشہور ہیں بعض نے اس سے اختلاف کر کے چالیس قرار دی ہیں۔ جو کتابیں خواجہ کے نام سے مشہور ہیں، ان کی شاعری کا رنگ ایک کا دوسرے سے نہیں ملتا۔ بعض نظمیں اسقدر سست اور اغلاط آمیز ہیں کہ ان کو کسی اچھے شاعر کی طرف منسوب کرنا ظلم اور حماقت ہے۔

خواجہ کے نام سے ایک کتاب اسرار نامہ مشہور ہے مگر اس نام کی دو کتابیں ہیں اور دونوں خواجہ ہی کے نام سے مشہور کی جارہی ہیں ایک بحر ہزج مسدس میں دوسری بحر رمل مسدس میں۔ ان کے اکثر اشعار سست ہیں بعض خواجہ کے مذہب کے خلاف ہیں۔ حق یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بھی خواجہ کی تصنیف نہیں۔ کلیات عطار کا سب سے قدیم قلمی نسخہ خواجہ کے عہد سے کم و بیش ڈیڑھ سو برس بعد کا لکھا ہوا ہے۔

سلطان محمود کے متعلق کئی روایتیں شیخ عطار ہی کی تصانیف سے مشہور ہوئیں۔ مولانا رومی نے اقرار کیا ہے کہ انہوں نے کئی حکایتیں عطار کی تصنیف سے نقل کی ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں سلطان سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود غزنوی نے قرامطہ اور اس کے فرقوں کی خوب گوشمالی کی۔ اس لئے قرامطہ اور اسکی شاخوں کو سلطان سے سخت عداوت تھی وہ زندگی بھر سلطان کی جان کے خواہاں رہے اور اس کے بعد اس کو بدنام کرنے کی سعی کرتے رہے۔

محمود اور فردوسی کی حکایت بھی انہیں کی ساختہ پرداختہ ہے۔ اس

امر کی شہادت شاہنامہ کے اس شعر سے بھی ملتی ہے ؎

گواہی دہم کاین سخن راز اوست تو گوئی دو گوشم بر آواز اوست

یہ راز ہی خاص مذہب و عقیدہ ہے فرقہ اسماعیلیہ کا جو قرامطہ کی ایک شاخ ہے لیکن خداوند کریم نے انہیں لوگوں کے ہاتھوں سے اظہار حق کا سامان اس طرح کرادیا کہ ان روایت سازوں کو وقتاً فوقتاً سلطان کو بدنام کرنے کے لئے جو بیانات کرنے پڑے، ان میں یہ ایسے بدحواس ہوئے کہ ایک نے کچھ کہا دوسرے نے کچھ، ایک بیان دوسرے بیان کے خلاف،

اس طرح ایک یہی قصہ نہیں اس روایت سازی میں بیچارے فردوسی کے ذاتی حالات بھی ایسا گورکھ دھندا بن گئے، کہ جن کا سلجھانا اب ممکن نہیں، اس روایت کے ہر جزو اور فردوسی کے ذاتی حالات کے متعلق جو بیانات ہیں اُن کے اختلاف کو دیکھتے ہوئے کوئی صاحب انصاف و عقل اُن پر بھروسہ کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوسکتا،

جن کتابوں میں یہ حکایت ہے ان کے متعلق علامہ شبلی نعمانی رح نے شعر العجم میں جو اظہار رائے کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے۔ چہار مقالہ میں سخت غلطیاں ہیں، دیباچہ بایسنغر خانی لایق اعتبار نہیں دولت شاہ نے بھی بہت غلطیاں کی ہیں۔ مگر تعجب یہ ہے کہ باوجود اس تمام تحقیقات کے علامہ موصوف نے ہجو کے اشعار کو اسی طرح فردوسی کی طرف منسوب کردیا جس طرح دوسروں نے کیا ہے اور ذرا غور و فکر سے کام نہیں لیا۔

خیر علامہ موصوف مستند مورخ اور ہندوستان میں تاریخ اسلام کے

فاضل تھے ان کی تاریخی خدمات قابل ستائش ہیں، باقی سہو و نسیان تو انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ کوئی منزہ من الخطا نہ تھے۔

پروفیسر براؤن نے بھی تاریخ ادبیات عجم میں چہار مقالہ اور دولت شاہ پر بھروسہ کیا خود بہت کم کدوکاوش کی ہے۔

اس روایت سازی کا سب سے زیادہ افسوسناک نتیجہ یہ ہوا کہ ایران کے سب سے بڑے شاعر اور ماہر تاریخ کا وہ کلام جو اس کی بہترین یادگار تھا اس طرح مسخ ہو گیا کہ اب اس کے بعض اجزا کو ایک معمولی شاعر کا کلام اور بعض کو ایک تکبندی کی تکبندی کہہ سکتے ہیں۔

تحقیق و تصنیف کرنے والوں کو اس طرف بھی نظر رکھنی چاہئے کہ فردوسی، عروضی، عوفی، عطار وغیرہ کی تصانیف کن ہاتھوں سے ہم تک پہونچی ہیں۔

محمود اور فردوسی کی حکایت

یہ حکایت مختلف تذکروں اور تاریخوں میں مختلف صورتوں سے بیان کی گئی ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ سلطان محمود شاہان ایران کی تاریخ نظم کرانا چاہتا تھا۔ اس نے اس خدمت پر فردوسی کو مامور کیا اور فی شعر ایک درم طلائی دینے کا وعدہ کیا جب فردوسی ساٹھ ہزار اشعار طیار کر کے لے گیا تو سلطان بجائے درہم طلا کے درہم نقرہ دینے لگا۔

کسی نے لکھا ہے کہ فردوسی خود یہ کام کر رہا تھا۔ سلطان نے سنکر پسند کیا اور وہ وعدہ کیا پھر اس کے خلاف کیا۔ اس روایت کے ایک

ایک جزو میں قسم قسم کے اختلاف ہیں جو اپنے اپنے موقع پر مذکور ہوں گے
پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ حکایت سب سے پہلے کس کتاب میں ہے اور
کس صورت سے ہے اور وہ کتاب کس درجہ لائق اعتماد ہے۔
یہ روایت سب سے پہلے چہار مقالہ میں نظر آتی ہے جو ۵۵۲ھ ہجری کی
تصنیف ہے یعنی شاہنامہ کی تصنیف سے ڈیڑھ صدی بعد کی۔

چہار مقالہ میں حکایت محمود اور فردوسی

فردوسی طوس کے ضلع کے ایک گاؤں باژ نام کا رہنے والا تھا جو نواحِ
طبرستان میں ہے وہ صاحب جائداد تھا اور اپنی آمدنی سے خوش گذران
کرتا تھا۔ اس کے صرف ایک لڑکی تھی۔ وہ شاہنامہ اس خیال سے نظم کرتا تھا کہ
اس کے صلہ سے لڑکی کے لئے جہیز طیار کرے۔ پچیس برس تک اس کتاب کو
تصنیف کرتا رہا۔ علی دیلم اور بوذلف یہ دو اس کے دوست تھے اور حی قتیبہ
گورنر طوس اس کا قدر دان تھا، علی دیلم نے شاہنامہ سات جلدوں میں
لکھا اور فردوسی کو لیکر غزنی گیا وہاں خواجہ بزرگ احمد حسن کاتب کے ذریعہ
سے سلطان کے دربار میں رسائی پائی۔ سلطان نے شاہنامہ دیکھکر اپنے
مصاحبوں سے مشورہ کیا کہ فردوسی کو کیا دیا جائے۔ یہ مصاحب خواجہ بزرگ
کے مخالف تھے اس لئے انہوں نے کہا پچاس ہزار درہم اور یہ بہت ہیں۔
کیونکہ فردوسی رافضی و معتزلی ہے۔ یہ شعر اس کا اس کے اعتزال کو
کو ثابت کرتا ہے ؎

بہ بینندگان آفرینندہ را ‏ ‏ نہ بینی مرنجان دو بینندہ را

اور یہ اشعار اس کے رفض کو ثابت کرتے ہیں ؎

خردمند گیتی چو دریا نہاد ‏ ‏ برانگیختہ موج ازو تند باد

چو ہفتاد کشتی درو ساختہ ‏ ‏ ہمہ بادبانہا برافراختہ

میانہ یکے خوب کشتی عروس ‏ ‏ برآراستہ ہم چو چشم خروس

پیمبر بدو اندروں با علی، ‏ ‏ ہمہ اہل بیت نبیؐ و وصی،

اگر خلد خواہی بدیگر سرائے ‏ ‏ بنزد نبی و علی گیر جائے

گرت زیں بد آید گناہ من ست ‏ ‏ چنیں دان و ایں راہ راہ من ست

بریں زادم و ہم بریں بگذرم ‏ ‏ یقیں دان کہ خاک پئے حیدرم

سلطان محمود متعصب آدمی تھا بیس ہزار درم فردوسی کو دئے، فردوسی بہت رنجیدہ ہوا اور حمام میں گیا، شراب پی اور وہ روپیہ شراب فروش اور حمامی کو تقسیم کر دیا چونکہ سمجھتا تھا کہ محمود کو خبر ہو گی ممکن ہے وہ ناراض ہو کر سزا دے رات کو غزنین سے بھاگا اور ہری میں اسماعیل وراق کی دوکان میں چھ مہینے چھپا رہا۔ محمود کے سپاہی اس کی تلاش میں طوس جا کر لوٹ آئے، اب فردوسی مطمئن ہو گیا اور ہری سے طوس چلا گیا وہاں سے شاہنامہ لیکر طبرستان اسپہبد شہریار والی طبرستان (جو آل باوند سے تھا اور اس کا سلسلۂ نسب یزدجرد سے ملتا تھا) کے پاس پہنچا اور محمود کی ہجو میں سو شعر لکھکر اس کو سنائے اور کہا کہ میں اس کتاب کو محمود کی بجائے تیرے نام پر معنون کرتا ہوں کیونکہ یہ تیرے آباؤ اجداد کی تاریخ ہے۔ شہریار نے اس کی مدارات کی اور کہا تیری کتاب اچھی طرح پیش نہیں کی گئی اور مخالفت کی گئی تو شیعہ ہے اور جس

شخص کو خاندان نبوت سے محبت ہوتی ہے اس کے دنیا کے کام نہیں نکلتے کیونکہ ان کے خود نہیں نکلے، محمود میرا شہنشاہ ہے تو شاہنامہ اسی کے نام پہ رہنے دے اور ہجو مجکو دے میں اس کو تلف کردوں اور کچھ تھوڑا سا انعام تجھکو دیدوں محمود تجھکو خود بلائے گا اور رضا مند کریگا تیری محنت رائیگاں نہ جائے گی۔ دوسرے دن اسپہبد نے فردوسی کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور کہا کہ میں نے ہجو کا ہر شعر ایکہزار درہم کو خریدا وہ ہجو میرے پاس بھیجدے اور محمود سے خوش ہوجا۔ فردوسی نے وہ ہجو بھیجدی شہریار نے اس کو تلف کردیا، فردوسی نے بھی ہجو کا مسوّدہ تلف کردیا وہ ہجو معدوم ہوگئی مگر یہ چھ شعر رہگئے

مرا غمز کردند کان پرسخن ۔۔۔ بمہر نبی و علی شد کہن،
اگر مہر شان من حکایت کنم ۔۔۔ چو محمود را صد حمایت کنم
پرستار زادہ نیاید بکار ۔۔۔ وگر چند باشد پدر شہریار
ازین در سخن چند رانم ہمے ۔۔۔ چو دریا کرانہ ندانم ہمے
بہ نیکی نبد شاہ را دستگاہ ۔۔۔ وگرنہ مرا برنشاندے بگاہ
چو اندر تبارش بزرگے نبود ۔۔۔ ندانست نام بزرگان شنود

آگے عروضی کہتا ہے

کہ میں ۵۱۰ھ میں نیشاپور میں تھا، امیر معزی نے کہا کہ میں نے امیر عبدالرزاق سے طوس میں سُنا کہ ایک زمانہ میں سلطان محمود ہندوستان میں تھا وہاں سے واپس غزنی آرہا تھا۔ راستہ میں ایک باغی کا قلعہ تھا۔ اگلے دن سلطان کا قیام وہاں ہونا تھا سلطان نے اس کے پاس قاصد بھیجا کہ

حاضر ہو دوسرے دن محمود بیٹھا تھا۔ اس کے پاس خواجہ بزرگ بیٹھا تھا کہ قاصد واپس آنا دکھائی دیا۔ سلطان نے خواجہ سے کہا کیا جواب لاتا ہوگا خواجہ نے یہ شعر پڑھا ؎

اگر جز بکام من آید جواب　　من و گرز و میدان و افراسیاب

محمود نے کہا یہ کس کا شعر ہے خواجہ نے کہا اسی کا جس نے پچیس برس محنت کی اور کچھ پھل نہ پایا۔ فردوسی۔ سلطان نے کہا کہ میں نادم ہوں کہ وہ میرے یہاں سے محروم رہا۔ غزنین پہونچکر مجکو یاد دلانا اس کو کچھ بھیجا جائیگا جب غزنین پہونچے خواجہ نے یاد دلایا سلطان نے ساٹھ ہزار دینار بھیجنے کا حکم دیا جب یہ خزانہ طوس پہنچا تو ایک دروازے سے شہر میں خزانہ داخل ہوا دوسرے دروازہ سے فردوسی کا جنازہ نکلا۔ طوس میں ایک شخص نے جنازہ روکا کہ یہ رافضی تھا میں اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دوں گا۔ چنانچہ فردوسی اپنے باغ میں دفن کیا گیا۔ فردوسی کی لڑکی کو وہ انعام دینا چاہا اس نے انکار کیا۔ آخر سلطان نے حکم دیا کہ یہ مال خواجہ ابوبکر اسحاق کرامی کے سپرد کر دیا جائے۔ اس روپیہ سے نیشاپور اور مرو کے راستہ پر طوس کے قریب سرائے اور کنواں تعمیر کرا دیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔

اس روایت پر نظر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ چہار مقالہ کی جانچ کیجائے کہ یہ کتاب قابل وثوق ہے یا نہیں۔

چہار مقالہ پر نظر

اس کتاب کی حالت اس درجہ مخدوش ہے کہ کوئی صاحب علم وعقل

اس پر بھروسہ کرنے کو طیار نہیں ہو سکتا،

احمد بن عمر بن علی النظامی السمرقندی المعروف نظامی عروضی کو چہار مقالہ کا مصنف کہا جاتا ہے، نظامی عروضی کا نام بھی مشتبہ ہے بعض نے ابوالحسن نظام الدین لکھا ہے۔ بعض نے نجم الدین احمد، حمد اللہ مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں (مصنفہ ۷۳۰ھ) نظامی عروضی کے تمام تصانیف کے نام لکھے ہیں، چہار مقالہ کا نام نہیں، مجمع النوادر کا نام ہے۔

قاضی احمد غفاری نے بھی عروضی کی تصانیف میں مجمع النوادر کا نام لکھا ہے، چہار مقالہ کا ذکر نہیں کیا۔

احمد امین رازی نے تذکرہ ہفت اقلیم (مصنفہ ۱۰۰۲ھ) میں مجمع النوادر اور چہار مقالہ دو کتابیں عروضی کی تصنیف سے بیان کی ہیں۔ حاجی خلیفہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

رضا قلی خاں نے مجمع الفصحا میں مجمع النوادر اور چہار مقالہ کو ایک ہی کتاب قرار دیا ہے اسوجہ سے کہ حمد اللہ مستوفی نے مجمع النوادر کے جو بیان نقل کیے ہیں، وہ سب چہار مقالہ میں موجود ہیں اس لئے یہ سمجھا گیا کہ مجمع النوادر اور چہار مقالہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں۔

اس میں تو شک نہیں کہ مجمع النوادر عروضی کی تصنیف ہے لیکن چہار مقالہ کا معاملہ مشتبہ ہے کیونکہ قدیم تذکرہ نویس مستوفی و غفاری چہار مقالہ کا نام ہی نہیں لیتے۔

یہ ممکن ہے کسی نے مجمع النوادر کے بیانات ملا کر ایک کتاب چہار مقالہ نام

مرتب کرکے عروضی کے نام سے مشہور کردی ہو اور مجمع النوادر معدوم ہوگئی ہو عروضی کے نام پر کئی چیزیں اسی طرح مشہور ہیں۔ بعض تذکرہ نویسوں نے اس کے نام سے چند اشعار و قطعات لکھے ہیں۔ لیکن محققین نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ وہ عروضی کے نہیں رودکی کے ہیں بعض نے مثنوی رلے درا میں کو اس کی تصنیف بتلایا ہے بعض اسکو نظامی گنجوی کی، بعض نے فخری گرگانی کی تصنیف لکھا ہے۔ اکثر محققین کی رائے ہے کہ یہ مثنوی اسعد گورگانی کی ہے اسی طرح ممکن ہے کہ چہار مقالہ بھی عروضی کے سر مڑھا گیا ہو۔

چہار مقالہ کو ۵۵۲ھ کی تصنیف قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں کتاب مقامات حمیدی کا ذکر ہے جو ۵۵۱ھ کی تصنیف ہے اور سلطان سنجر ابن ملک شاہ کے لئے دعائے درازیٔ عمر ہے اس سلطان کا عہد حکومت ۵۵۲ھ تک ہے۔

چہار مقالہ مرتبہ محمد بن عبد الوہاب قزوینی مطبوعہ یورپ کے ٹائٹل پر لکھا ہے (در حدود ۵۵۰ھ) اور مقدمہ میں لکھا ہے (اما تاریخ تالیف چہار مقالہ اگرچہ در ضمن کتاب مذکور نیست ولے قطعاً مؤخر از سن (۵۵۲) کہ سال وفات سلطان سنجر سلجوقی است نبودہ چہ از ضمن کتاب معلوم می شود کہ سلطان سنجر در وقت تالیف کتاب درحیات بودہ است، از جملہ در صفحہ (۴۰) در حق وے اینطور دعا می کند اطال اللہ بقاءہ وادام اللہ الی المعالی ارتقاءہ و در صفحہ (۷۸) در حق وے وسلطان علاؤ الدین غوری اینطور خلد اللہ ملکھما وسلطانہما

چہار مقالہ کے تین قدیم نسخے ہیں ایک قسطنطنیہ میں ہے جو ۸۳۵ھ کا

کا لکھا ہوا ہے، دو نسخے برٹش میوزیم میں ہیں ان میں سے ایک سنہ ۱۰۱۷ھ کا اور دوسرا سنہ ۱۲۷۴ کا لکھا ہوا ہے تینوں میں بہت اختلاف ہے۔ اول الذکر نسخہ سب سے قدیم ہے یہ تصنیف سے (۳۴۸) سال بعد کا لکھا ہوا ہے مطبوعہ قدیم نسخہ طہران کا ہے جو سنہ ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوا۔ اس میں بے حد تصرفات و غلطیاں ہیں۔ اس کے متعلق لکھا ہے (وناشران تصرفات بسیار نمودہ) یہ نسخہ چار نسخوں سے مرتب کیا گیا تھا۔ اس میں مذکور ہے کہ ان چاروں میں اختلاف تھا (مقدمہ چہار مقالہ مطبوعہ سنہ ۱۹۰۹ء)

مرزا محمد بن عبد الوہاب قزوینی نے ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ اس میں تصحیح کی بے حد کوشش کی، مفید حاشئے لکھے، اصل کتاب کی غلطیاں ظاہر کیں۔

چہار مقالہ کی بعض غلطیاں

(۱) اسکافی کو نوح بن منصور بن نوح بن نصر بن احمد سامانی کا دبیر لکھا ہے حالانکہ وہ نوح بن منصور کے دادا نوح بن نصر کا دبیر تھا اور نوح ابن منصور کی تخت نشینی سے بیس سال قبل مر چکا تھا۔

(۲) سلطان الپتگین کو نوح بن منصور کا معاصر لکھا ہے۔ نوح بن منصور سنہ ۳۶۶ھ میں تخت نشین ہوا اور الپتگین سنہ ۳۵۲ھ میں مرا۔

(۳) لکھا ہے کہ سبکتگین نے سیمجوریوں کے ساتھ مل کر الپتگین کے خلاف خراسان میں جنگ کی، حالانکہ الپتگین اس جنگ سے بیس سال قبل مر چکا تھا۔ اور سبکتگین نے خود سیمجوریوں پر چڑھائی کی تھی یہ سلطنت

غزنین کا مشہور و مسلمہ واقعہ ہے۔

(۴) لکھا ہے کہ سامانیوں کے عہد کے ایک سردار ابوعلی احمد بن محتاج چغانی نوح بن منصور کا معاصر تھا اور سبکتگین کی لشکر کشی کے وقت زندہ تھا۔ ابوعلی احمد مذکور نہ نوح بن منصور کا معاصر تھا نہ سبکتگین کی جنگ کے وقت زندہ تھا۔

(۵) ماکان بن کاکی کو نوح بن منصور کا معاصر لکھا ہے حالانکہ وہ اس کے پردادا نصر بن احمد سامان کے عہد میں تھا اور نوح بن منصور کے سن جلوس سے (۳۹) سال قبل مر چکا تھا۔

(۶) ماکان بن کاکی کے ساتھ جس سردار نے جنگ کی تھی اس کا نام تاش لکھا ہے مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ ابوعلی احمد بن محتاج نے ماکان سے جنگ کر کے اس کو قتل کیا۔

(۷) حسن بن سہل کا لقب ذوالریاستین لکھا ہے اور اس کو خلیفہ مامون کی بیوی بوران کا باپ لکھا ہے حالانکہ ذوالریاستین فضل بن سہل کا لقب تھا اور وہی بوران کا باپ تھا۔

(۸) لکھا ہے کہ خلیفہ المسترشد باللہ نے سلطان سنجر کے خلاف لشکر کشی کی حالانکہ خلیفہ نے سلطان مسعود سلجوقی کے خلاف لشکر کشی کی تھی اور لڑائی میں شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ خراج دینے کا وعدہ کیا لیکن وہیں قتل کیا گیا

(۹) ملوک جابیہ ماوراء النہر کے ایک سردار ایلک خان کو بغراخان لکھا ہے اور بغراخان کو سلطان محمود کا ہمعصر لکھا ہے حالانکہ سلطان محمود کا ہمعصر

ایلک خان تھا اس کو محمود نے شکست دیکر جیحوں کے پار بھگا دیا۔ بغرا خان اس کا باپ تھا جو نوح بن منصور سامانی کے عہد میں گورنر خراسان تھا۔

(۱۰) یعقوب ابن اسحاق کندی مشہور عرب فلسفی کو یہودی لکھا ہے حالانکہ یعقوب مشہور عربی اسلامی خاندان کا آدمی تھا۔ حضرت اشعث ابن قیس صحابی کی اولاد سے تھا۔ اس کے آباؤ اجداد خلفائے بنی امیہ وخلفائے بنی عباس کے عہد میں گورنر رہے تھے۔ اور یعقوب کے متعلق ایک بے بنیاد حکایت لکھی ہے۔

(۱۱) مشہور طبیب محمد بن ذکریا رازی کو منصور بن نوح سامانی کا معاصر لکھا ہے حالانکہ وہ منصور کی تخت نشینی سے تیس سال قبل مر چکا تھا اور اس کے متعلق ایک بے بنیاد حکایت لکھی ہے۔

(۱۲) شیخ بوعلی سینا کو علاؤ الدین کا وزیر لکھا ہے حالانکہ شیخ سلطان شمس الدولہ دیلمی کا ہمدان میں وزیر تھا۔ اور ۴۲۸ھ میں مرا۔

(۱۳) خواجہ نظام الملک طوسی کا بغداد میں قتل ہونا بیان کیا ہے۔ حالانکہ بالاتفاق وہ نہاوند میں قتل ہوا

(۱۴) عروضی صاحب چہار مقالہ کا مربی شہزادہ ابوالحسن بن مسعود ہے یہ شہزادہ کبھی بادشاہ نہیں ہوا۔ چہار مقالہ اسی کے نام پر معنون ہے لیکن اس کو بجائے شہزادے کے بادشاہ لکھا ہے (بادشاہ وقت امروز افضل بادشاہان وقت است) بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ بادشاہ سے مراد شہزادہ ہے، اس مراد کی رکاکت ظاہر ہے اس پر کچھ لکھنے کی حاجت نہیں

آگے چل کر خود ہی لکھتا ہے (ہیچ بزرگے برخوردار تر از ین ملک (شہزادہ) نیست موہبت جوانی حاصل است ولعمت تندرسی برقرار، پدر و مادر زندہ، برادران موافق بر بین و بسیار چگونہ پدرے چون خداوند ملک معظم موید مظفر منصور فخر الدولۃ والدین خسرو ایران ملک الجبال) باپ زندہ تھا تخت پر تھا۔ پھر بیٹے کو بادشاہ وقت لکھنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ اس نمبر کی تحت خط عبارتوں کو دیکھکر یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبارت کسی فاتر العقل نے لکھی ہے یہ شہزادہ فخر الدین مسعود ابن اعز الدین حسین اول بادشاہ بامیان کا بیٹا تھا۔ یہ خود کبھی بادشاہ نہیں ہوا۔ اس شہزادہ کے دوسرے بھائی کا نام محمد بن مسعود تھا۔

(۱۵) سعد کی شاعر کے متعلق لکھا ہے کہ (توانند گفتن بدین عذبی کہ اودر مدح ہمی گوید درین قصیدہ ؎ آفرین ومدح سود آید ہمے ؛ گر بگنج اندر زیاں آید ہمیں۔ و اندرین بیت از محاسن ہفت صنعت است اول مطابق دوم متضاد، سوم مرادف چہارم بیان مساوات پنجم عذوبت ششم فصاحت ہفتم جزالت و ہر استادے کہ او را در علم شعر تبحرے است چون اندکے تفکرے کند داند کہ من درین مصیبم)

اس عبارت میں کئی غلطیاں ہیں

پہلی تین صنعتوں مطابق ۔متضاد، مرادف کو لفظ صنعت سے اور باقی چار بیان مساوات و عذوبت و فصاحت و جزالت کو لفظ مصدر سے تعبیر کرنا صحیح نہیں کیونکہ اگر مراد نفس صنعت کی تعداد ہے تو کل صنایع کو لفظ مصدر سے ظاہر کرنا چاہئے تھا اور اگر مقصود شعر ہے کہ یہ صنعتیں اس میں ہیں تو سب کو

لفظ صنعت سے ذکر کرنا چاہئے تھا۔

مطابق و متضاد علیحدہ علیحدہ دو صنعتیں نہیں اس لئے کہ ضدین یا اضداد کا جمع کرنا ایک صنعت معنوی ہے۔ مطابقہ۔ تضاد۔ تکافو، طباق یہ چار نام اسی ایک صنعت کے ہیں اور اصطلاح علم بدیع میں یہ مترادف الفاظ ہیں۔

فصاحت کا صنایع میں شمار کرنا صحیح نہیں۔ علمائے بیان و معانی میں سے آج تک کسی نے فصاحت کو صنایع میں شمار نہیں کیا۔ فصاحت نظم و نثر کے لوازم میں سے ہے۔ صنایع میں نہیں۔

نمبر ۱۴ و ۱۵ میں ایسی غلطیاں ہیں جو کم علم یا بدحواس کر سکتا ہے۔ عروضی جیسے مسلم الثبوت استاد کا یہ کام نہیں۔

نمبر ۱ لغایت ۱۳ میں جو غلطیاں ہیں وہ تمام مستند اول کتب تاریخ سے ثابت ہیں ان میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔

نمبر ۱ سے ۱۵ تک جو غلطیاں لکھی گئیں ہیں صرف یہی نہیں چہار مقالہ میں بہت سی غلطیاں ہیں یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے باقی کو بخوف طوالت نظر انداز کیا گیا۔

غرض چہار مقالہ کے حالات اور تاریخ بتاتی ہے کہ اس میں تحریف و تصرف کا بہت دخل ہے اور تاریخی و ادبی غلطیاں بھی بہت ہیں اور عروضی سے اس کی نسبت صحت کے ساتھ ثابت نہیں اِس لئے کسی طرح قابل وثوق نہیں

حکایت پر نظر

قرائن ذیل اس طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ فردوسی والی حکایت عروضی کی لکھی ہوئی نہیں۔ اس لئے کہ اس حکایت کی عبارت سست ہے۔ چہار مقالے کی حکایتوں کی دوسری عبارتوں سے نہیں ملتی۔ عروضی کی عبارت نہایت چست اور شستہ ہوتی تھی۔ چہار مقالہ کے مختلف مقامات سے لبطور نمونہ و مقابلہ دو عبارتیں نقل کیجاتی ہیں (۳) پر فردوسی والی حکایت کی عبارت نقل کیجاتی ہے اہل نظر بلا تامل بول اٹھیں گے کہ (۱ و ۲) کی عبارت جس شخص کی ہے (۳) کی عبارت اس کی نہیں۔ اس فرق کو وہی اصحاب محسوس کر سکتے ہیں جو درایت میں کافی مہارت رکھتے ہوں۔ درایت ایک خاص ملکہ ہے جو ایک فن میں تجر حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے، ایک شعر سنکر صاحب درایت وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ یہ شعر فلاں شاعر کا ہو سکتا ہے یا نہیں جس طرح صرّاف کی نظر سونے کو کسوٹی پر لگانے سے پہلے تاڑ جاتی ہے کہ یہ سونا کس درجہ کا ہے اسی طرح فارسی ادب میں جن اصحاب کو یہ ملکہ ہوگا۔ وہ تسلیم کریں گے کہ (۳) کی عبارت (۱ و ۲) کے ہم پلّہ نہیں۔

(۱) عشقے کہ سلطان یمین الدولہ محمود را بر ایاز ترک بودہ است معروف است و مشہور آوردہ اند کہ سخت نیکو صورت نبود لیکن سبز چہرہ شیریں بودہ متناسب اعضاء و خوش حرکات و خرد مند و آہستہ و آداب مخلوق پرستی او را عظیم دست دادہ بودہ است و دراں بارہ از نادرات زمانہ خویش بودہ است

واین ہمہ اوصاف آن ست کہ عشق را بعث کند و دوستی را بر قرار دارد، و سلطان یمین الدولہ محمود مردے دیندار متقی بود۔

(۲) غایت فصاحت قرآن ایجاز لفظ و اعجاز معنی است و ہر چہ فصحا و بلغا را امثال این تضمین افتادہ است تا بدرجہ ایست کہ دہشت ہمی آرد و عاقل و بالغ از حال خویش ہمی بگردد و آن دلیلے واضح از حجتے قاطع بہ آنکہ این کلام از مجاری نفس ہیچ مخلوقے نرفتہ است۔

(۳) استاد ابوالقاسم فردوسی از دہاقین طوس بود از دیہے کہ آن را بیہ باز خوانند و از ناحیت طبرستان است بزرگ دیہے است و از وے ہزار مرد بیروں آید فردوسی دران دیہ شوکتے تمام داشت چنانکہ بدخل آن ضیاع از امثال خود بے نیاز بود۔

اس کے علاوہ چہار مقالہ میں کئی موقعوں پر سلطان محمود کا نام آیا ہے ہر جگہ اس کا نام تعظیم سے لکھا ہے۔ سلطان یمین الدولہ محمود لکھا ہے تعریف لکھی ہے (مرد متقی دیندار) مگر فردوسی والی حکایت میں سلطان محمود اور محمود ہے اور بجائے تعریف کے ہجو کے طور پر لفظ متعصب لکھا ہے اس لئے گمان غالب ہے کہ یہ حکایت اس شخص کی لکھی ہوئی نہیں جس نے وہ دوسری حکایتیں لکھی ہیں۔ یہ کسی روایت ساز متعصب کی کارگذاری ہے، اگر خواہ نخواہ اسی پر زور دیا جائے کہ یہ حکایت عروضی ہی کی لکھی ہوئی ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ پھر بھی قابل اعتماد نہیں کیونکہ عروضی شاہان آل شنب (ترکوں کی نسل سے ایک شخص شنب نام تھا وہ حضرت علی کے ہاتھ پر مسلمان

ہوا تھا۔ اس کی نسل سے دو خاندان تھے، ایک غور پر حکمران تھا جس کا پایۂ تخت فیروز کوہ تھا، دوسرا غور کے شمال میں طخارستان پر حکمران تھا، انکا دارالحکومت بامیان تھا۔ نظامی عروضی سلاطین بامیان (اس کے حالات نورالدین محمد عوفی نے اپنی کتاب لباب الالباب میں لکھے ہیں۔ یہ کتاب ۶۱۷ھ کی تصنیف ہے) کا درباری شاعر تھا۔ غوریوں اور غزنویوں کی عداوت مشہور ہے ممکن ہے اس نے اپنے سلاطین کے خوش کرنیکے لئے یہ حکایت گھڑی ہو۔

روایت پر نظر

اس روایت کے دو حصے ہیں ایک ہجو کے اشعار تک، دوسرا وہ جسکو عروضی نے امیر معزی کے حوالہ سے بیان کیا ہے

پہلے حصہ کے متعلق عروضی کوئی سند نہیں پیش کرتا کہ اس نے کس سے سُنا یا وہ کہاں سے نقل کر رہا ہے جس طرح دوسرے حصہ کے متعلق امیر معزی کا نام لیتا ہے اس سے پہلے یہ روایت کہیں نظر نہیں آتی۔

مورخین عرب نے سلطان محمود کی تاریخیں اس طرح لکھی ہیں کہ جزئیات کا استقصا بھی کیا ہے یہ تاریخیں موجود ہیں۔ ان میں کسی میں یہ کہانی نہیں عینی ایرانی مورّخ سلطان کے عہد میں تھا وہ بھی اس کا ذکر نہیں کرتا۔

(الہند وما لہم من مقالہ مقبولہ ابوریحان) کا مصنف سلطان کا ہمعصر بھی ہے اور مخالف بھی ہے۔ نہایت سختی سے سلطان پر نکتہ چینی کرتا ہے اور جا بجا سلطان کو بُرا بھلا کہتا ہے لیکن اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا اگر یہ امر واقعہ ہوتا

تو اس مصنف کے لئے اچھا مشغلہ تھا اور یہ بڑے شد و مد سے اسکو بیان کرتا۔ غرض ڈیڑھ صدی تک کوئی اس کا ذکر نہیں کرتا (۱۵۲) برس کے بعد عروضی بغیر سند کے اس کو بیان کرتا ہے۔

اس روایت میں ہے کہ فردوسی اپنے وطن میں صاحب شوکت اور فارغ البال تھا اس کا یہ بیان فردوسی کے بیان کے خلاف ہے۔ وہ خود اپنی غربت اور افلاس کا رونا روتا ہے ؎

دو دیگر کہ گنجم وفادار نیست ۔۔۔ مرا این رنج را کس خریدار نیست

مرا دخل و خورا برابر بُدے ۔۔۔ زمانہ مرا چون برادر بُدے

خواجہ بزرگ احمد حسن میمندی کو سلطان کا کاتب لکھا ہے، اس نام کا کوئی میمندی اس زمانہ میں سلطان کے دربار میں نہ تھا۔

حسن میمندی سبکتگین کا درباری تھا جب سبکتگین نے قصبہ بست فتح کیا تو ضبط اموال پر اس کو مامور کیا۔ اس میں خیانت ثابت ہوئی۔ سبکتگین نے اس کو قتل کرا دیا

احمد میمندی سلطان محمود کا رضاعی بھائی تھا یہ ۴۰۱ھ میں وزیر بنایا گیا (عتبی) گویا فردوسی اور شاہنامہ کے واقعہ سے سات برس بعد فردوسی اور محمود کی کہانی لکھنے والوں نے اس کو خارجی لکھا ہے، حالانکہ یہ سنی تھا۔ ان قصہ نویسوں نے خود سلطان کو بھی خارجی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ہجو کے جو اشعار ہیں وہ اس کو ثابت کرتے ہیں کہ سلطان خارجی عقیدہ کا آدمی تھا اور فردوسی سے اس وجہ سے ناخوش ہوا کہ اس کو حضرت علی کی

محبت تھی۔

اس روایت میں انعام کم دینے کی وجہ سلطان کا تعصّب اور فردوسی کی شیعیّت کو ظاہر کیا ہے۔ یہ غلط ہے سلطان متعصّب نہ تھے، ان کے دربار میں غضائری شیعہ شاعر موجود تھا جس کو سلطان نے مالا مال کر دیا، البیرونی شیعہ فضل سلطان کا مصاحب خاص اور بقول ان روایات نقل کے حسن میمندی خارجی تھا۔ ہندوں کو سلطان نے بڑے بڑے عہدے دئے، مالک بخشی کی۔

حیات فردوسی میں ہے کہ حسن میمندی کی تحریک سے فردوسی کے عقائد کے متعلق اعتراضات کئے جانے لگے، بادشاہ نے کہا مجکو اس کے مذہب سے غرض نہیں۔

سر جارج ہملٹن نے لکھا ہے کہ محمود دربار میں علما اور فاضل شعرا کے لئے منکسر المزاج، شریف الطبیعت اور قدر دان تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ لائق شخصوں کا ہر حالت میں ناز بردار تھا وہ مذہب کی طرف سے نہایت سخت تھا لیکن اس کی یہ سخت مزاجی محض ہم پلہ حکمرانوں کے مقابل میں ہوتی تھی نہ کہ اپنے ملازموں کے لئے وہ اپنے لاثانی فضل کا کشادہ دلی سے دوست تھا اور اُسے ان کے مذہب سے کوئی تعرض نہ تھا۔ محمود کے یہاں بہت سے نصرانی بھی اعلیٰ اعلیٰ درجوں پر ممتاز تھے۔ ایسے شخص کو کوئی اہل عقل متعصّب نہیں کہہ سکتا۔

اس روایت میں اسپہبد شہریار والی طبرستان کے پاس فردوسی کا

کا جانا اور شہریار کا یہ مقولہ (محمود خداوند من است) یہ سراسر غلط ہے، سلطان کے عہد میں طبرستان میں شہریار حکمران تھا قابوس بن وشمگیر تھا اور سلطان کا کچھ اثر طبرستان میں تھا پروفیسر محمود خاں صاحب شیرانی نے اپنے مضمون مندرجہ رسالہ اردو اورنگ آباد جون ۱۹۲۵ء میں طویل بحث اور تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ شہریار ۳۵۵ھ میں فوت ہو چکا تھا گویا محمود کی تخت نشینی سے ۲۹ سال قبل، اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ طبرستان کا والی شہریار اور محمود کا ماتحت تھا تو کیا کوئی صاحب عقل تسلیم کر سکتا ہے کہ محمود کا ماتحت محمود کے اشتہاری کو ٹھہرائے اور انعام دے اور کیا کوئی جرأت کر سکتا ہے کہ وہ حاکم سے منحرف ہو کر اسکے محکوم کے پاس جائے اور اس پر طرہ یہ کہ محمود کی ہجو کہکر اس کو سنائی، فردوسی ایسا نادان نہ تھا جو ایسی حماقت کرتا اور اگر کر جاتا تو کوئی اہل عقل تجویز نہیں کر سکتا کہ زندہ واپس آجاتا وہ لوگ جو اس پر یقین کرتے ہیں ویسے لئے کی ہجو لکھکر کسی ہندوستانی والی ملک یا کسی کلکٹر یا گورنر کو سنا کر تجربہ کریں۔

اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فردوسی بھاگ کر ۶ مہینے بعد طوس پہنچا یہ بھی غلط ہے جب فردوسی بھاگا اور سلطان کو اسکی خبر ہوئی اور سلطان کے سپاہی اسکی تلاش میں گئے تو کیا اتنے بڑے واقعہ سے گورنر طوس بیخبر رہا ہوگا اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو فردوسی طوس نہ جاتا اور اگر جاتا تو پابجولاں غزنین آتا۔

اس روایت میں ہے کہ شہریار نے فردوسی سے کہا کہ تو محب اہل بیت ہے اسلئے تیرا دنیا کا کام نہیں نکلا جس کسی کو اہل بیت سے محبت ہوتی ہے اس کا دنیا کا کوئی کام نہیں نکلتا یہ بھی غلط ہے، بہت سے شیعہ صاحب تخت و تاج ہوئے اور اسی زمانے میں دیلمیوں کا خاندان برسر حکومت تھا۔ ایسی لغویات کوئی نہیں کہہ سکتا

اس روایت میں ہے کہ ہجو کے سو شعر تھے جن کا مبیّضہ شہریار نے اور مسوّدہ فردوسی نے تلف کیا پھر یہ چھ کیونکر بچے اور اگر یہ صحیح ہے تو یہ سنج کل جو دوسو سے زائد ہیں یہ کہاں سے آئے، ایک نقطہ کے جعلی ثابت ہونے پر تمام دستاویز مسترد کر دی جاتی ہے یہاں دوسو میں (۱۹۴) جعلی ہیں پھر بھی لائق اعتماد نہیں۔

یہ چھ شعر جو ہجو کے نقل کئے گئے ہیں یہ کسی طرح فردوسی کے نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ نہایت سست اشعار ہیں اور ان میں ایسی غلطیاں ہیں جنکو معمولی شاعر بھی نہیں کر سکتا۔ ان کا بیان ہجو کے دوسرے شعروں کے ساتھ علیحدہ ہوگا۔

یہ ایک نہایت افسوسناک امر ہے کہ تذکرہ نویسوں نے آنکھیں بند کر کے ان اشعار کو فردوسی کیطرف منسوب کر دیا اور غور و خوض سے کام نہیں لیا۔ قدیم تذکرہ نویسوں اور مورخوں کو تو معذور رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ قدیم زمانے میں پریس و مطابع نہ تھے قلمی تحریر کا رواج تھا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں مصنف نے لکھے ہیں یا بعد کو کسی جعلساز نے اضافہ کیا۔ گمان غالب یہی ہے کہ بعد کو کسی نے ایسے بیانات بڑھائے ہیں کیونکہ متقدمین ماہر علوم و فنون تھے وہ ایسے لغو اور بے سروپا قصہ اور ایسی بحر نظم کو محمود جیسے سخی و قدر دان اور فردوسی خدائے سخن کی طرف منسوب نہیں کر سکتے تھے

زیادہ افسوس اسپر ہے کہ زمانہ حال کے بعض مصنفین نے باوجودیکہ تمام سامان تصحیح و تحقیق و تدقیق میسر ہیں، تحقیق کی تکلیف گوارہ نکر کے صرف

تقلید میں یا فردوسی کے نام سے مرعوب ہو کر نقل کر دیا۔ طبیعت کو تحقیق کیطرف مائل نہیں کیا۔ اگر توجہ کرتے تو ان پر ضرور حقیقت منکشف ہو جاتی۔

مولوی وجاہت حسین صاحب عندلیب شادانی بی اے منشی فاضل جنہوں نے نصاب ایم اے اور جماعت منشی فاضل کے لئے چہار مقالہ تالیف کیا ہے اس ہجو کے متعلق لکھتے ہیں۔

(یہ ایک نہایت عجیب و غریب ادّعا ہے) یعنی صاحب چہار مقالہ کا یہ لکھنا کہ ہجو کے صرف چھ شعر باقی رہگئے) کیونکہ اسے صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ ان چھ شعروں کے علاوہ ہجو کے باقی مشہور و معروف اشعار جو آج بھی شاہنامہ کے شروع میں موجود ہیں وہ فردوسی کے نہیں لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اشعار زیر بحث کا فردوسی کی تصنیف سے ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ ان اشعار کا طرز و اسلوب بالکل وہی ہے جو فردوسی کے باقی کلام کا انداز ہے وہی متانت الفاظ وہی زور، وہی پختگی وہی روانی وہی استحکام معانی غرض جس پہلو سے دیکھئے وہ فردوسی ہی کا کلام ہونے کے سزاوار ہیں۔ چہار مقالہ مطبوعہ ۱۹۳۱ء ص ۸)

یہ تو ہجو کے بیان سے معلوم ہوگا کہ یہ اشعار ہجو کے فردوسی کے ہیں یا نہیں مگر جناب عندلیب کا یہ تحریر فرمانا کہ صرف چھ اشعار کے متعلق عجیب ادعا ہے بہت ہی عجیب ہے۔ جناب آپ کو یہ واقعہ کس کے ذریعہ سے پہونچا، اصل راوی اوّل راوی اس کا کون ہے وہی ہے جو چھ اشعار

بتا رہا ہے، باقی سب اس کے بعد ہیں اور بعد والوں نے جو کچھ اس سے
زیادہ لکھا ہے اس کی کوئی سند نہیں بیان کی لہذا ان کا بیان تو اس قابل
نہیں کہ اس پر توجہ کیجائے، اگر کچھ توجہ کے قابل ہے تو چہار مقالہ ہی کا
بیان ہے۔ اور اگر یہ ہجو فردوسی کی تسلیم کیجائے تو بیان اور سند کے
اعتبار پر چہار مقالہ کے سوا اور اشعار تسلیم نہیں کئے جاسکتے، کیونکہ ان کو
زمانہ بعید کے بعد لکھنے والوں نے بلا سند لکھا ہے۔

دوسری عجیب بات یہ ہے کہ جناب فرماتے ہیں کہ ہجو کے اشعار تواتر
سے ثابت ہیں۔ جناب کیا تواتر کی تعریف یہ ہے کہ ڈیڑھ سو برس تک
تو اس چیز کا نام و نشان نہ ہو اور ڈیڑھ سو برس کے بعد وہ چھ کی تعداد
سے شروع ہو پھر جس قدر زمانہ گذرتا جائے وہ بڑھتی جائے یہاں تک
کہ دو سو کی تعداد سے گذر جائے اور ہر بیان کرنے والا اس کو کمی بیشی
کے ساتھ بیان کرے۔ ایک کا بیان دوسرے کے مطابق نہ ہو، واہ۔
سمجھے بھی تو کیا سمجھے۔ جانا بھی تو کیا جانا۔

اس روایت کا دوسرا حصہ جسکو عروضی نے امیر معزی سے سنا بیان
کیا ہے، سراسر پر از اغلاط ہے۔ عروضی کہتا ہے کہ میں نے خود سنہ ۵۱۰ھ میں
فردوسی کے مزار کی زیارت کی لیکن اس سے وہاں کسی نے کچھ نہیں کہا۔
یہ عام قاعدہ ہے کہ صاحب قبر کے متعلق اس کے مقام، دفن، اور وطن
میں روایات و حکایات مشہور ہوتی ہیں اور زائرین کو سنائی جاتی ہیں
لیکن عروضی سے وہاں کوئی ایک لفظ بیان نہیں کرتا۔ بیان کرتا ہے تو

نیشاپور میں ۵۲۰ھ میں امیر معزی یہ امر خلاف عقل و قیاس ہے۔ امیر معزی نے یہ واقعہ کہ خواجہ بزرگ نے شعر پڑھا اور محمود نے دریافت کیا کس کا شعر ہے اس سال کا بیان کیا ہے جس سال فردوسی کا انتقال ہوا یعنی ۴۱۱ھ کا اور سلطان کی ہندوستان سے واپسی کا بیان کیا، لیکن اس سن میں سلطان کا کوئی حملہ ہندوستان پر نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ واقعہ سراسر غلط ہے اور خواجہ بزرگ کے متعلق لکھا جا چکا ہے اس لئے غلط در غلط ہے، امیر معزی نے بیان کیا کہ خواجہ نے یہ شعر پڑھا ؎

اگر جز بکام من آید جواب　　من و گرز و میدان و افراسیاب

اور کہا یہ شعر فردوسی کا ہے لیکن فردوسی کا شعر اس طرح نہیں وہ ان دو طریقوں سے مشہور ہے ؎

چو فردا بر آید بلند آفتاب　　من و گرز و میدان و افراسیاب

یا

بخوبم برین کینہ آرام و خواب　　من و گرز و میدان و افراسیاب

چہار مقالہ نے جس طرح اس شعر کو لکھا ہے اس میں لفظ جواب ہے جو عربی ہے فردوسی نے عربی الفاظ استعمال نہیں کئے (اس کی بحث آگے آئے گی) اس لئے اس طرح فردوسی کا شعر نہیں پھر خواجہ کیوں کر کہہ سکتا تھا اور اگر کہتا تو محمود فوراً کہتا کہ یہ شعر صنعت لزوم سے جسمیں شاہنامہ ہے باہر ہے اس لئے یہ واقعہ بھی غلط ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ سلطان محمود نے فردوسی کو پیلبار انعام

دیا تھا چونکہ یہ بہت بڑا انعام ہے اس لئے اس کی ایسی شہرت ہوئی کہ انعام کے لئے پیل محمود شعرا میں اصطلاح قرار پا گئی۔ امیر معزی اس اصطلاح اور اس کی ایجاد سے خوب واقف تھا کیونکہ اس نے خود اس اصطلاح کا استعمال کیا ہے اس کا شعر ہے ؎

زہر نام اگر شاہ ولی محمود　　بہ پیلوار بشاعر ہمی شبانی داد

جب امیر معزی اس واقعہ سے واقف تھا اور اس اصطلاح کو جانتا تھا تو کیوں غلط بیانی کرتا (اس اصطلاح کا ذکر انعام کی بحث میں ہوگا) اسی طرح عروضی بھی ماہر فن اور استاد تھا وہ بھی اس اصطلاح سے بیخبر نہ تھا وہ بھی غلط بیانی نہ کرتا اور اگر اس واقعہ کو یہ دونوں اس طرح بیان کرتے تو اس کے ساتھ یہ بھی ضرور کہتے کہ یوں بھی مشہور ہے لہذا یہ بیان نہ امیر معزی کا ہے۔ یہ روایت عروضی نے لکھی یہ کسی جعلساز کی کارروائی ہے۔ عروضی تو یہ واقعہ ہندوستان سے واپسی کا بیان کرتا ہے۔

دولت شاہ غزنین کا بیان کرتا ہے کہ خواجہ نے یہ شعر پڑھا

صاحب حیات فردوسی کا بیان ہے کہ سلطان نے ایک باغی پر حملہ کرنا چاہا سوچا کہ خط میں کیا لکھنا چاہیئے تو درباریوں نے کہا کہ فردوسی کا یہ شعر کافی ہے۔

اس روایت میں ہے کہ فردوسی کی لڑکی کو انعام دینا چاہا اس نے انکار کر دیا تو وہ روپیہ خواجہ اسحاق کے سپرد کیا گیا۔ کہ طوس کے قریب نیشاپور اور مرو کے راستہ پر سرائے اور کنویں تعمیر کرا دیں انہوں نے تعمیر کرا دیا،

اور دولت شاہ سمرقندی لکھتا ہے کہ انعام فردوسی کی بہن کو دینا چاہا اس نے انکار کر دیا اور کہا (مرا بمال سلاطین احتیاجے نیست)

صاحب حیات فردوسی نے لکھا ہے کہ فردوسی کی بہن نے انعام لے لیا اور اس روپیہ سے سرائے تعمیر کرادی۔

صاحب تاریخ اسلام نے لکھا ہے کہ فردوسی کی بہن نے انعام لے لیا اور اس روپیہ سے فردوسی کا مقبرہ بنوادیا۔

اس کل روایت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہنامہ سلطان کی فرمایش سے نہیں لکھا گیا۔ اگر سلطان کی فرمایش ہوتی تو اس کے پیش کرنے کیلئے ذرایع کی تلاش کی ضرورت نہ ہوتی اگر سلطان نے فی شعر ایک اشرفی انعام پہلے سے مقرر کیا ہوتا تو مصاحبوں سے مشورہ نکیا جاتا کہ فردوسی کو کیا انعام دیا جاوے اگر ایسا ہوتا تو جس طرح مصاحبوں نے پچاس ہزار درہم کہے تھے حسن میمندی جو پیش کرنے والا تھا کہتا کہ بادشاہ نے فی شعر ایک اشرفی کا وعدہ فرمادیا ہے جب فرمایش بھی نہ تھی، انعام کا تعین و وعدہ بھی نہ ہوا تھا تو اس صورت میں دینے والے نے جو کچھ دیدیا اس کا احسان تھا ایسی صورت میں ناراض ہونا ہجو لکھنا، دینے والے کی دنائت نہیں بلکہ شاعر کی رذالت کو ثابت کرتا ہے اور جب انعام لیلیا تو اس کو جسطرح چاہا خرچ کر دیا، سلطان کو اس سے کیا سروکار اس پر خائف ہونے اور بھڑکنے کی کیا ضرورت تھی۔ غرض اس روایت پر جس پہلو سے نظر کیجائے موضوع ثابت ہوتی ہے اور اس واقعہ کے متعلق کوئی ایک متفقہ بیان نہیں

اس کے ہر ہر جزو میں اختلاف ہے اور یہ ہر پہلو سے مخدوش ہے۔

شاہنامے

فردوسی کے شاہنامہ سے پہلے کئی شاہنامے نظم و نثر تصنیف ہو چکے تھے، فردوسی کا شاہنامہ لکھنا کوئی ایسا عجیب و غریب کام نہ تھا جس پر سلطان خواہ مخواہ گرویدہ ہو کر ایک رقم خطیر معین کر دیتا۔ سلطان ایک مذہبی آدمی تھا اتنی بڑی رقم ایسے کام پر کبھی خرچ نہ کر سکتا تھا اور اس کو ایسی کثیر رقم خرچ کرنی ہوتی تو اس کے لئے تاریخ اسلام کا میدان موجود تھا جس پر وہ ثواب عقبیٰ کی بھی امید کر سکتا تھا۔ اور سلطان کا کیا ذکر چہار مقالہ کی حکایت میں موجود ہے کہ شہریار والی طبرستان سے فردوسی نے کہا کہ یہ تیرے آباؤ اجداد کی تاریخ ہے تو اس نے بھی کچھ التفات نکیا اور یہی کہا کہ (اندک چیزے ترا دہم) کچھ تھوڑا سا تجھے دیدوں گا۔

شاہنامہ ابو منصور طوسی ۳۴۶ھ میں نثر میں تصنیف ہوا، کتاب آثار الباقیہ فی قرون الخالیہ میں جو ۳۹۱ھ کی تصنیف ہے اس کا حوالہ ہے، دقیقی شاعر (المتوفی ۳۴۱ھ) نے بفرمایش وزیر ابو الفضل بلعمی (المتوفی ۳۲۹ھ) اس کو نظم کرنا شروع کیا۔

شاہنامہ ابو المؤید البلخی نثر میں تصنیف ہوا، ابو علی بلعمی نے اپنے ترجمہ تاریخ طبری میں اس کو شاہنامہ بزرگ کے نام سے ذکر کیا ہے یہ ترجمہ ۳۵۲ھ میں ہوا، اس لئے یہ شاہنامہ ۳۵۲ھ سے پہلے کی تصنیف ہے۔

شاہنامہ مسعودی مروزی یہ نظم تھا۔ کتاب الغرر فی اخبار الملوک میں جو سبکتگین کے عہد کی تصنیف ہے اس کا حوالہ ہے۔
شاہنامہ ابو علی بلخی یہ شاہنامہ مسعودی کے بعد تصنیف ہوا، کتاب آثار الباقیہ فی قرون الخالیہ میں اس کا حوالہ ہے۔

موجودہ شاہنامہ فردوسی کی تدوین و تاریخ

زمانہ قدیم میں پریس و مطابع نہ تھے قلمی تحریر کا رواج تھا اس لئے کتابیں ہر ایک گھر میں نہ ہوتی تھیں۔ خاص خاص اہل علم یا اہل دول کتابیں رکھتے تھے سلطان محمود کے بعد غزنین اور طوس میں ایسے شدید ہنگامے ہوئے جو اپنی آپ ہی نظیر تھے۔ شہر لوٹے گئے، جلائے گئے، شاہنامہ ایسا کون سا دین و ایمان تھا جس کو لوگ چھاتی سے لگائے پھرے ہوں یا نوک زبان رکھا ہو اس لئے یہ خیال کرنا کہ شاہنامہ فردوسی محفوظ و مامون رہا صحیح نہیں، کسی مورخ اور تذکرہ نویس نے نہیں لکھا کہ تصنیف کے بعد شاہنامہ پر کیا گذری۔ بعض بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہنامہ فردوسی کی زندگی میں مکمل ہی نہیں ہوا۔ غرض کہ مدتوں کے بعد اسپہبن میں اسد خان اشوکی نے شاہنامہ مرتب کیا، اس میں محمود کی ہجو اور رستم و سہراب کی داستان نہ تھی پھر ایک نسخہ خلیفہ بغداد کے حکم سے صمد بغدادی اور آغا حسن اصفہانی نے مرتب کیا اس میں رستم و افراسیاب اور سکندر کی مکمل داستان نہ تھی، بغداد کی تحریف میں دو ہزار اشعار تھے، اس کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ یہ کتاب

کس حالت میں رہی۔ صدیوں کے بعد مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی نے اسکو مرتب کرانا چاہا لیکن ملکی شورش نے اس کو اتنا موقع نہ دیا۔

نصیر الدین حیدر شاہ اودھ نے بہت سے نسخوں سے ایک نسخہ مرتب کرایا اس نسخہ کو منشی نول کشور نے چھاپا اسی کی نقل سمیع شیرازی ایران لیگیا یہ نسخہ تیئیس نسخوں سے مرتب کیا گیا تھا جن کی کیفیت حسب ذیل ہے

(۱) ایک نسخہ مولانا عبد الرحیم بن مولانا عبد اللہ القریشی کا ایرانی خط میں ۱۰۲۱ھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۱۲۴۳) اشعار تھے۔

(۲) ایک نسخہ محمد حافظ رہتکی کا ۱۰۰۸ھ کا ایرانی خط میں لکھا ہوا تھا اس میں (۴۷۵۲۰) اشعار تھے۔

(۳) ایک نسخہ خط نسخ میں لکھا ہوا تھا ۸۸۰ھ کا اس میں (۵۰۵۰۰) اشعار تھے۔

(۴) ایک نسخہ خط نستعلیق نسخ نما میں ۸۸۰ھ کا ایران کا لکھا ہوا تھا اس میں (۵۶۶۸۵) اشعار تھے۔ یہ نسخہ بہت غلط تھا۔ بعض جگہ مصرعے بدلے ہوئے تھے۔ یہ چاروں نسخے ایسٹ انڈیا کمپنی نے خریدے تھے۔

(۵) سید التفات حسین خان کا جمع کیا ہوا۔ حاجی علی شیرازی المشہور بکاتب مسجل کا ۸۹۹ھ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۵۲۱۳۳) اشعار تھے۔ اس پر شہنشاہ اورنگ زیب کی مہر بھی تھی۔

(۶) حاجی محمد قاسم اصفہانی کا جمع کیا ہوا تھا اور سعید کاتب کا ۸۹۱ھ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۴۹۷۸۲) اشعار تھے۔

(۷) روضۃ الکبریٰ کا سنہ ۸۴۷ھ کا لکھا ہوا اس میں (۴۷۹۵ ۲) اشعار تھے اس پر شاہ ایجی ٹرنگ فلنگ کی مہر لگی ہوئی تھی اس میں یہ اہتمام تھا کہ حاشیہ میں لکھا ہوا تھا کہ فردوسی نے فلاں فلاں سن میں اسقدر اشعار کہے۔

(۸) ایرانی خط میں عبدالصمد بن علی محمد الحسینی ایرانی کا سنہ ۱۰۲۰ھ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۴۲۹۸۲) اشعار تھے یہ نسخہ مسٹر اکنس نے بھیجا تھا

(۹) منتظم الدولہ نے بھیجا تھا سنہ ۸۹۱ھ کا لکھا ہوا اسمیں (۵۵۱۹۲) اشعار تھے۔

(۱۰) یہ بھی منتظم الدولہ نے بھیجا تھا اس میں (۵۰۵۰۰) اشعار تھے۔

(۱۱) یہ نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کا تھا۔ نظام بن محمد شیرازی کا لکھا ہوا۔ سنہ ۸۹۹ھ کا اس میں (۵۱۱۳۲) اشعار تھے۔

(۱۲) مڈلٹن صاحب نے بھیجا تھا، ابن حسن نورالدین اصفہانی نے شیراز میں سنہ ۱۰۴۸ھ میں لکھا تھا۔ اس میں (۵۲۹۱۱) اشعار تھے

(۱۳) سنہ ۱۰۳۰ھ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۵۰۸۲۴) اشعار تھے۔

(۱۴) راہبس صاحب نے بھیجا تھا عبدالکریم بن عبدالنبی جونپوری کا سنہ ۱۰۲۰ھ کا لکھا ہوا۔ اس میں (۴۸۷۱۴) اشعار تھے۔

(۱۵) ملسٹر صاحب نے بھیجا تھا۔ اس میں ایک لاکھ اشعار تھے سنہ ۹۹۹ھ کا لکھا ہوا۔ اس کی ابتدا گرشاسب نامہ اسدی سے ہوئی تھی۔

(۱۶) ببر جنگ کا جمع کردہ تھا سنہ ۸۸۱ھ کا لکھا ہوا۔ اس میں (۵۶۵۸۸) اشعار تھے۔

(۱۷) محمد خان قزوینی کا ۹۱۰ھ کا لکھا ہوا تھا۔ اسمیں (۵۴۰۲۰) اشعار تھے۔

(۱۸) سنہ ۸۱۰ھ کا لکھا ہوا اسمیں (۸۷۹۱۱) اشعار تھے انمیں سات ہزار اشعار بغداد کی تعریف میں تھے اور کچھ حصہ یوسف زلیخا فردوسی کا بھی شامل تھا

(۱۹) سنہ ۱۰۱۰ھ کا لکھا ہوا، اس میں کیکاؤس سے لہراسپ تک اشعار تھے

(۲۰) مرزا علی اصفہانی نے بھیجا تھا۔ سنہ ۹۱۰ھ کا لکھا ہوا۔ اس میں ابتدا سے ہیجر کا گودرز کے پاس کیخسرو کا خط لیکر جانے تک کے اشعار تھے۔

(۲۱) اس میں شروع سے کیخسرو کے غایب ہونے تک کے اشعار تھے

(۲۲) مسٹر ملول نے بھیجا تھا اس میں سوسن رامشگر کے قصہ سے لیکر آخر تک کے واقعات تھے۔

(۲۳) ایرانی خط میں سنہ ۹۴۹ھ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۵۳۰۰۰) اشعار تھے۔

مجمل کیفیت ان نسخوں کی یہ ہے۔ ان میں سے کسی ایک نسخہ کی تعداد اشعار وہ نہیں جو روایات میں بیان کی گئی ہے یعنی ساٹھ ہزار اور اسی ہزار کسی نسخہ میں کم، کسی میں زیادہ اور دو نسخوں کی تعداد اشعار برابر نہیں۔

سب سے قدیم نسخہ ۸ ہے جو سنہ ۷۲۷ھ کا لکھا ہوا ہے یعنی تصنیف سے (۳۲۷) سال بعد کا اس میں (۴۷۲۹۵) اشعار تھے۔

نمبر ۳ و ۴ ایک ہی سال کے لکھے ہوئے ہیں انمیں (۶۱۸۵) اشعار کا فرق ہے۔

نمبر ۱۱ و ۱۵، ایک ہی سال کے لکھے ہوئے ہیں ان میں (۱۰۰۱) اشعار کا فرق ہے۔

نمبر ۹ و ۱۰ ایک ہی شخص کے مملوکہ ہیں، انہیں (۴۶۹۲) اشعار کا فرق ہے۔

قصہ جمشید گورنگ شاہ کی بیٹی کے ساتھ صرف دو نسخوں میں تھا اس قصہ کے اشعار فردوسی کے کلام سے نہیں ملتے۔ علی قلی خان اور صاحب آتشکدہ آذر نے اس کو اسدی کا کلام قرار دیا ہے۔ جنگ رستم و لک صرف ایک نسخہ میں تھی۔ اس کے اشعار اس قدر سست ہیں کہ فردوسی کے کلام سے نسبت نہیں رکھتے۔ نمونہ ؎

چو بشنید میلاد و افگند سر — بہ پیش و نمی کرد بردوسے نظر
نہ مردیست این دزدی و رہزنی — بدین کار و واپس ہر رہزنی
چو زان قلعہ و دژ اثر وا نماند — بہ انگشت زال و ازانجا نماند

غرض ۲۳ نسخوں سے ایک نسخہ مرتب کرکے رائج کردیا گیا۔ لیکن اب جو نسخے ہیں۔ ان میں بھی اختلاف ہے۔

اس تمام تحقیقات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب محفوظ نہیں رہی اور اس میں بہت کچھ تحریف ہوئی ہے۔

موجودہ شاہنامہ وہ شاہنامہ نہیں جو فردوسی نے تصنیف کیا تھا

ایسے قوی دلائل موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہنامہ وہ نہیں جو

فردوسی نے لکھا تھا بلکہ اس میں قلیل جزو فردوسی کا ہے باقی سب موضوع و جعلی

(۱) فردوسی تاریخ ایران کا ماہر تھا لیکن موجودہ شاہنامہ میں ایسی تاریخی غلطیاں ہیں جو ایک معمولی مورخ بھی نہیں کر سکتا ۔ مثلاً ؎

چو پرویز و ہرمز چو نوشیں قباد   چو خسرو کہ پرویز نامش نہاد

اس شعر سے پرویز کا بیٹا ہرمز ثابت ہوتا ہے حالانکہ ہرمز کا بیٹا پرویز تھا
شاہنامہ میں پریچہرہ کو ایرج کی نواسی بنایا ہے حالانکہ وہ ایرج کی بیٹی تھی
شاہنامہ میں دارا کے قاتل ناسارو جانوسار نامی دو وزیر بیان کئے ہیں حالانکہ دارا کے قاتل دو ہمدانی سپاہی تھے (زینت التواریخ و تاریخ ایران سرجان مالکم)

(۲) شعرائے ایران میں فردوسی کا مرتبہ سب سے بلند ہے ۔ استاد عزیزی نے کہا ہے ؎

در شعر سہ کس پیمبرانند   ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را   فردوسی و انوری و سعدی

ایک استاد کا قول مشہور ہے کہ فردوسی در سخن خدا بود ۔
اُستاد انوری نے لکھا ہے ؎

آفرین بر روان فردوسی   آن ہمایوں نہاد فرخندہ
او کہ اُستاد بود ما شاگرد   او خداوند بود ما بندہ

مولانا نظامی گنجوی فرماتے ہیں ؎

سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس   کہ آراست روئے سخن چون عروس

خواجہ سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد — کہ رحمت بران تربت پاک باد

ایک اُستاد نے لکھا ہے ؎

اے تازہ و محکم ز تو بنیاد سخن — ہرگز نکند چوں تو کسے یاد سخن

فردوس مقام بادت اے فردوسی — انصاف کہ نیک داد ئی داد سخن

غرض تمام اساتذہ فردوسی کے مداح ہیں۔ اس کے کلام کی روانی و پختگی چستی و برجستگی ثابت کرتی ہے کہ خدائے سخن کا خطاب اس کو زیبا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

کلام فردوسی

پاسخ فریدون سلم و تور را

چو بشنید شاہ جہاں کدخدائے — پیام دو فرزند ناپاک رائے

بیکایک بمرد گرانمایہ گفت — کہ خورشید را چوں توانی نہفت

نہاں دل آن دو مرد پلید — زخورشید روشن تر آمد پدید

شنیدم ہمہ ہرچہ گفتی سخن — نگہ کن کہ پاسخ چہ یابی زمن

ان اشعار سے ان اشعار کو ملایا جائے جو چہار مقالہ سے ابتدا میں نقل کئے جا چکے ہیں تو معلوم ہوگا کہ وہ سست اشعار کسی نومشق شاعر کے ہیں۔ وہوہذا۔

رزین نامہ از نامداران شہر — علی دیلم و بودلف راست بہر

نیامد جز احسنتشان بہرہ ام — بگفت اندر احسنتشان زہرہ ام

کہ حی قتیبہ است از آزادگان — کہ از من نخواہد سخن رائیگان

امیر کی تعریف میں آزادگان یہ لفظ کس قدر ناموزوں ہے اور تینوں شعر تکبندی ہیں۔

اور

پیمبر بدو اندروں با علی — ہمہ اہل بیت نبی و وصی
اگر خلد خواہی بدیگر سرائے — بنزد نبیؐ و وصی گیر جائے

"گیر جائے" سکونت کرنے یا دفن ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں شاعر ایمان لانا کہنا چاہتا ہے مگر مضمون ادا نہیں کر سکا۔ یہ کسی قادر الکلام کا شعر نہیں۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں ہے ع ترا ہست اگر عقل و تدبیر ورائے
ہجو کے اشعار کے متعلق علیحدہ مضمون ہوگا۔
ایسے ہی اور بہت سے اشعار پُر از اغلاط شاہنامہ میں ہیں۔

چو سال اندر آمد بہفتاد و یک — ہمہ شعر زیر اندر آمد فلک

یہ مہمل ہے دوسرے مصرعہ کا مطلب نہیں کھلتا۔

کہ بخشد ز ہر بیت زر یکدرم — ہر آنچہ آورم نظم از بیش و کم

"زہر" سے مطلب خبط ہوتا ہے صاف نہیں کھلتا۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ ہر شعر پر ایک اشرفی دینے کا وعدہ تھا، مگر یہ مطلب ادا نہیں کر سکا، زر یکدرم ایک درم سونا اور شاعر کا مطلب اشرفی ہے اس لئے درم زر ہونا چاہیئے تھا۔

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار — کہ گفتم من این نامہ شہریار

شاہنامہ میں ایک بادشاہ کا ذکر نہیں۔ ایران کے تمام بادشاہوں کا ذکر ہے

اس لئے شہریاراں جمع ہونا چاہیئے تھا۔ اور یہ شعر دقیقی کے اس شعر کا سرقہ ہے ؎

نوشتم من این نامہ شاہوار　　چنان چون بود در خور شہریار

یہ سرقہ فردوسی کا کام نہیں۔

نباشد جز از بے پدر دشمنش　　کہ یزدان بہ آتش بسوزد تنش

شاعر کہنا چاہتا ہے کہ ولد الزنا کے سوا کوئی اس کا دشمن نہیں ہو سکتا مگر مطلب ادا نہیں کر سکا، بے پدر کہا، بے پدر یتیم کو کہتے ہیں

(۳) فردوسی ایک گاؤں کا باشندہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ دیگر ممالک کی زبانوں کا اثر دیہات کی زبان پر بہت کم ہوتا ہے۔ فردوسی کی زبان خالص فارسی زبان تھی اس نے شاہنامہ اسی زبان میں لکھا تھا۔ اور یہی شاہنامہ کی خصوصیت تھی اس نے عربی الفاظ کا استعمال نہیں کیا۔ آشوب تورانی نے اسی وجہ سے لکھا ہے

؎ دلش گبر و جان گبر و گبری زبان　　ز گبران بگیری زبان قصہ خوان

(صولت فاروقی)

شاہنامہ تصنیف فردوسی بصنعت لزوم زبان فارسی (خیابان)

جہاں تک فردوسی کی شان کا کلام شاہنامہ میں ہے وہ خالص ہی فارسی میں ہے چند اشعار تو پہلے لکھے جا چکے ہیں۔ اب اس موقع پر دیکھیے کہ اہم مضامین کو کس خوبی سے ادا کرتا ہے اور کوئی لفظ عربی نہیں لاتا۔

آفرینش عالم کے متعلق لکھتا ہے مگر مادہ وجود عنصر وغیرہ الفاظ نہیں لاتا۔

از آغاز باید کہ دانی درست　　سرمایہ گوہران از نخست

کہ یزدان زنا چیز چیز آفرید | بدان تا توانائی آمد پدید
وزو مایۂ گوہر آمد چہار | برآورده بے رنج و بے روزگار

(سرمایہ بمعنی مادّہ ۔ توانائی بمعنے وجود۔ گوہر بمعنے عنصر)

لیکن موجودہ شاہنامہ صنعت لزوم کی قید سے آزاد ہے ۔ اس میں خاصی تعداد عربی الفاظ کی ہے ۔ نمونہ

زگیتی پرستندۂ فر نصر | زید شاد در سایہ شاہ عصر
اگر مہر شان من حکایت کنم | چو محمود را صد حمایت کنم
بنام نبی و علی گفتہ ام | گہرہائے معنی بسے سفتہ ام
چہ گفت آن خداوند تنزیل وحی | خداوند امر و خداوند نہی
نیم آگہ از اصل و فرع خراج | ہمی غلطم اندر میان دواج
میانہ یکے خوب کشتی عروس | برآراستہ ہمچو چشم خروس
اگر خلد خواہی بدیگر سرائے | بنزد نبی و وصی گیر جائے

یہ سات شعر ہیں ان میں پندرہ عربی الفاظ ہیں، نبی علی وغیرہ کو ہم نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اسماء و اعداد اکثر صنایع میں مستثنیٰ کئے جاتے ہیں اور ان کا بدستور رکھنا مناسب ہوتا ہے ۔

غرض ایسے ہی وجوہ اور دیگر قرائن قویّہ پر نظر کر کے صاحب آتشکدہ آذر نے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے

"امروز شاہنامہ کہ صحت داشتہ باشد وجود ندارد و بعلت عدم ربط کتاب و نساخ چندان تغیر یافتہ کہ نمی توان گفت کہ درین

کتاب شعرے از فردوسی باقی ماندہ یا ز انچہ ماندہ بمقابل اشعار فصیح بلغا و افکار بلیغ فصحا در ہر باب شعر خوب و سخن مرغوب دارد"

پروفیسر نولڈکی لکھتے ہیں۔ شاہنامہ کے وہ منفرد اشعار جنمیں مذہبی عقیدہ کا اظہار پایا جاتا ہے بعد والوں کے اضافہ کئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں یا بعض اشعار ایسے ہیں کہ وہ ہیں تو فردوسی کے لکھے ہوئے لیکن ان میں خفیف سا تغیر کر کے مطلب کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا ہے (حیات فردوسی)

اس کے تحریف و تغیر نے اس کو اس پایہ سے گرا دیا جس مرتبہ کی یہ کتاب تھی۔ اسی وجہ سے پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات عجم میں لکھا ہے۔ کہ کسی حیثیت سے یہ کتاب شعرائے فارس کے کلام کی برابر نہیں۔

شاہنامۂ فردوسی کے دیباچے

دیباچہ قدیم

اس کو مسٹر ویلن برگ نے ۱۸۱۰ء میں اور جولیس موہل نے ۱۸۳۷ء میں شائع کیا۔ یہ دیباچہ اصل میں شاہنامہ ابو منصور بن عبدالرزاق طوسی کے شاہنامہ نثر کا ہے جو ۳۰۶ ہجری کی تصنیف ہے کیونکہ وہ امیر نصر ابن احمد سامانی کے زمانہ میں تصنیف ہوا۔ امیر مذکور کا آخری سال حکومت ۳۳۱ ہے۔ اس دیباچہ کی عبارت یہ ہے۔

"باز آغاز کار نامہ شاہان از گرد آورندہ ابو المنصور الحمری دستور ابو منصور محمد بن عبدالرزاق ایدون گوید"

بعد میں اس میں شاہنامہ فردوسی کے نظم کرنیکی سرگذشت کسی نے شامل کردی اور شاہنامہ فردوسی کا دیباچہ قرار دیدیا۔ یہ دیباچہ جن شاہناموں پر تحریر ہے ان کی تعداد چھ ہے ان میں سے ایک نسخہ برلن میں ہے۔ دوسرا پٹرو گراد میں چار انگلستان میں (ان چار میں سے دو برٹش میوزیم میں ایک انڈیا آفس میں ایک آکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری میں) ان چھ نسخوں میں سب سے قدیم برٹش میوزیم کے نسخے ہیں، ان دونوں میں جو قدیم ہے وہ نویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے جو ۶۷۸ھ کے کسی نسخہ کی نقل ہے۔

غرض یہ دیباچہ جس قدیم نسخے پر ہے وہ تصنیف شاہنامہ سے پانچصدی بعد کا لکھا ہوا ہے اور جس نسخہ کی یہ نقل ہے وہ تصنیف شاہنامہ سے (۲۷۸) سال بعد کا لکھا ہوا تھا اور کم وبیش تصنیف شاہنامہ سے نوصدی کے بعد شایع ہوا۔

دیباچہ بایسنغر خانی

مرزا بایسنغر بن شاہرخ مرزا بن امیر تیمور نے ۸۲۴ ہجری میں اپنے درباری شعراے شاہنامہ کی تصحیح کرائی اور یہ دیباچہ لکھا اس کو مسٹر ٹرمیکن نے ۱۲۴۵ھ میں شاہنامہ کے ساتھ شایع کیا۔ یہ دیباچہ تصنیف شاہنامہ سے (۴۲۷) سال بعد لکھا گیا اور (۸۴۵) سال بعد شایع ہوا۔

اس میں بہت غلطیاں ہیں۔ اس کی بعض غلطیوں کا کہیں ذکر آچکا ہے، بعض کا اس موقع پر بھی اظہار کیا جاتا ہے۔

(۱) نیجنگ چنگیزن یعنی ابوالحسن علی الترزی کو سلطان محمود کا درباری

شاعر لکھا ہے یہ شاعر آل سامان کا درباری شاعر تھا۔ ۳۷۷ھ میں تھا۔

(۲) ابو حنیفہ اسکاف کو سلطان کا درباری لکھا ہے یہ سلطان ابراہیم غزنوی کا درباری تھا۔

(۳) فخر الدولہ دیلمی کے پاس فردوسی کا ایک جزو شاہنامہ بھیجنا اور فخر الدولہ کا فردوسی کو انعام بھیجنا اور محمود کو اس امر کا ناگوار ہونا مذکور ہے حالانکہ فخر الدولہ محمود کی تخت نشینی سے قبل ۳۸۷ھ میں مر چکا تھا۔

(۴) رودکی کو محمود کا درباری شاعر لکھا ہے حالانکہ رودکی ۳۰۴ھ میں مر چکا تھا۔ اسوقت محمود کیا محمود کا باپ بھی بادشاہ نہ ہوا تھا۔

دیباچہ ہاشمی

ہاشم علی بن شاہ ابراہیم شیرازی نے ۱۲۱۱ ہجری میں شاہنامہ کا انتخاب کر کے اس پر دیباچہ لکھا ہے۔ یہ دیباچہ تصنیف شاہنامہ سے تقریباً آٹھ سو برس بعد لکھا گیا۔

ان دیباچوں کی حفاظت و صحت کی کوئی ضمانت نہیں کہ اپنے مصنفوں سے عہد اشاعت تک محفوظ رہے ہوں

یہاں تک تو شاہنامہ اور چہار مقالہ اور دیباچوں کا بیان کیا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام ذخیرہ تحریفات و اغلاط سے پُر ہے کسی طرح لایق اعتماد نہیں۔ اب اس قصہ میں اور فردوسی کے ذاتی حالات میں جو اختلافات ہیں۔ اُن کا بیان کیا جاتا ہے۔ جس سے ناظرین کو اندازہ ہو جائیگا۔

کہ روایت سازوں نے سلطان کو بدنام کرنے کے لئے فردوسی کے کلام کو مسخ کیا اور اس کے ذاتی حالات کو ایسا الجھایا کہ صحیح رائے قایم نہیں کیجا سکتی۔

فردوسی کا سال ولادت

فردوسی نے شاہنامہ کا اختتام ۴۰۰ھ میں بیان کیا ہے اسی موقع پر اپنی عمر بیان کی ہے ؎

کنوں عمر نزدیک ہشتاد شد امیدم بیک بارہ برباد شد

اس اعتبار سے فردوسی ۴۰۰ھ میں (۷۹) برس کا تھا لہذا (۴۰۰-۷۹) یہ ۳۲۱ھ میں وہ پیدا ہوا۔

تاریخ اسلام عباسی میں بوقت وفات اس کی عمر اسی سے زیادہ لکھی ہے گویا ۸۱ یا ۸۲، علامہ شبلی نے شعر العجم میں لکھا ہے کہ شاہنامہ ختم ہونے کے بعد وہ چار سال سے زیادہ زندہ نہیں رہا۔ اس حساب سے (۸۳) ہوتی ہے پس اگر ۴۱۱ھ میں اس کی وفات ہوئی تو ۳۲۹ھ میں ولادت ہوئی اور اگر ۴۱۶ھ میں وہ مرا تو پیدائش ۳۳۴ھ میں ہوئی۔

فردوسی کا نام

حسن بن اسحاق (شعر العجم وغیرہ) حسن بن علی (تاریخ گزیدہ)۔
منصور ابن فخر الدین احمد (مجالس المومنین و دیباچہ بایسنغر خانی)
صحیح حسن معلوم ہوتا ہے۔

فردوسی کی ولدیت

اسحاق بن شرف شاہ (مجمع الفصحا وغیرہ) شرف شاہ بن فخر الدین (تذکرہ)

علی(تاریخ گزیده) فخرالدین احمد (مجالس المومنین وحیات فردوسی)
صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باپ کا نام اسحاق تھا۔

فردوسی کا نسب

فردوسی سیّد تھا (حیات فردوسی) اکثر مورخ اور تذکرہ نویسوں نے اس کو ایرانی الاصل لکھا تھا اور یہی صحیح ہے، آشوب تورانی لکھتا ہے ؎

مغ مغ نسب گبر آتش پرست — بہ بیت بہر موبد داده دست

فردوسی کا وطن

فردوسی کے وطن کے متعلق چار نام بیان کئے گئے ہیں۔
طوس۔ موضع رزان۔ موضع شاداب۔ موضع باژ۔ درحقیقت فردوسی اصل باشندہ باژ کا تھا پھر طوس میں سکونت اختیار کی۔

فردوسی کا مذہب

فردوسی تفضیلیہ سنی تھا (حیات فردوسی بحوالہ عظیم سمرقندی)۔
فردوسی صوفی تھا۔ شیخ محمد معشوق طوسی کا مرید تھا۔ (حیات فردوسی بحوالہ سرجارج ہملٹن) فردوسی معتزلی تھا۔ اُس کے اس شعر سے ثابت ہوتا ہے

بہ بینندگان آفرینندہ را — نہ بینی مرنجاں دو بینندہ را

فردوسی شیعہ تھا جیسا کہ اس کے ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے

اگر خلد خواہی بدیگر سرائے — بنزد نبی وصی گیر جائے
مرا غمز کردند کان پر سخن — بمہر نبی و علی شد کہن

چہار مقالہ میں ہے کہ ایک متعصب سنی نے فردوسی کے جنازہ کو روکا

کہ یہ شیعہ تھا میں اس کو مسلمان کے قبرستان میں دفن ہونے دوں گا
فردوسی یہودی تھا۔ حضرت مسیح پر تبرا کرتا ہے اور ان کے مصلوب ہونے
کو بیان کرتا ہے ؎

مسیح فریبندہ خود کشتہ شد　　چو از دین یزداں سرش گشتہ شد

فردوسی آتش پرست تھا۔ آشوب تورانی لکھتا ہے ؎

مغ مغ نسب گبر آتش پرست　　بہ بیعت بہر موبد دادہ دست

شاہنامہ میں جابجا آتش پرستوں کی تعریف اور ان کے لئے دعائے خیر ہے۔

فردوسی لامذہب تھا آشوب تورانی لکھتا ہے ؎

نہ سنی نہ شیعی نہ مغ نے جہود　　نہ ترسا ندانم ترا دین چہ بود

زہر مذہبے فارغ از ملحدے　　زدیرے برون خارج از مسجدے

فردوسی سنی تھا جیسا کہ اس کے اشعار ذیل سے ثابت ہوتا ہے ؎

چہ گفت آن خداوند تنزیل وحی　　خداوند امر و خداوند نہی

کہ خورشید بعد از رسولان سہ　　نتابید بر کس ز بو بکر بہ

عمر کرد اسلام را آشکار　　بیاراست گیتی چو باد بہار

پس از ہر دو آن بود عثمان گزین　　خداوند شرم و خداوند دین

چہارم علی بود جفت رسول　　کہ او را بخوبی ستاید رسول

مولانا نظامی گنجوی، امام غزالی رح نے اس کو سنی لکھا ہے ان بزرگوں
کے سامنے کس کو مجال لب کشائی ہے اور کس کا قول قابل سند ہو سکتا ہے
یہی صحیح ہے۔ اسرار نامہ میں جو خواجہ فریدالدین عطار کی تصنیف مشہور ہے

(بعض محققین نے انکار کیا ہے کہ اسرار نامہ شیخ عطار کی تصنیف نہیں)
ایک روایت ــــ ہے کہ فردوسی کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے خواجہ ابوالقاسم خرقانی (پروفیسر محمود خان صاحب شیرانی نے ابوالقاسم گرگانی لکھا ہے مگر اپنے ماخذ کا پتہ نہیں دیا۔ خیر کوئی سہی) سے کہا گیا تو شیخ نے فرمایا ؎

شنودم من کہ فردوسی طوسی — کہ کرد او در حکایت بے فسوسی
بہ بست و پنج سال از نوک خامہ — بسرمی برد بیت شاہنامہ
بآخر چون رسیدش دم بآخر — ابوالقاسم کہ بُد شیخ الاکابر
چنیں گفت او کہ فردوسی بگفت — ہمہ در حق گبر نا لے گفت
مرا در کار او برگ ریانیست — نمازم بر چنیں شاعر روانیست

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی سُنّی تھا اگر وہ شیعہ ہوتا تو نماز جنازہ کی فرمائش شیخ سے نہ ہوتی کسی مجتہد سے ہوتی اور اگر شیخ سے ہوتی تو شیخ فرما دیتے کہ میں شیعہ کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھتا۔ فردوسی کی زندگی پر تبصرہ کرنے کی اُن کو ضرورت نہ ہوتی۔ کیا مشکل ہے؟ کہ فردوسی کے متعلق اس کے اور دوسروں کے اقوال جس قدر ملتے ہیں وہ بجائے معاملہ کو صاف کرنے کے اور الجھا دیتے ہیں لیکن یہ اچھا ہے کہ بدحواس روایت سازوں کی قلعی کھل رہی ہے۔ یہ روایت بوجوہ ذیل موضوع ہے

(۱) اس کے اشعار کو شیخ عطار کے اشعار سے وہی نسبت ہے جو ایک نوشق کے کلام کو ایک ماہر فن کے کلام سے ہوتی ہے اس کا فیصلہ اہل نظر کر سکتے ہیں۔

(۲) یہ روایت اسرارنامہ میں ہے جو فردوسی سے تقریباً ڈھائی صدی بعد کی تصنیف ہے اس سے پہلے یہ روایت کسی کتاب میں نظر نہیں آتی۔ چہار مقالہ جس پر فردوسی کی حکایت کا مدار ہے اس کے تذکرے سے خاموش ہے اگر یہ امر مشہور ہوتا تو وہ ضرور لکھتا جیسے اس نے جنازہ کے روکنے کا ذکر کیا ہے۔

(۳) خواجہ عطار روایت بیان کرنیوالے ہیں اور شیخ ابوالقاسم کی روایت بیان کرتے ہیں دونوں بزرگ اسلام کے امام ہیں اور مسئلہ بیان کرتے ہیں غلط ایسا مسئلہ جس کو ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ نماز جنازہ کسی فاسق مسلمان کی بھی نہیں چھوڑی جاسکتی لہذا یہ روایت کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی۔

فردوسی کی موت

فردوسی طوس میں بغرض تفریح جنگل کو گیا وہاں ایک لڑکے نے یہ شعر پڑھا ؎

اگر شاہ را شاہ بودے پدر بسر بر نہادے مرا تاج زر

یہ سنتے ہی فردوسی کو تمام واقعہ یاد آگیا۔ ایسا صدمہ ہوا کہ غش کھا کر گر گیا۔ اسی حالت میں اس کو گھر اٹھا لائے کئی دن کے بعد مر گیا۔

اکثر مورخین و تذکرہ نویسوں نے فردوسی کا سن وفات ۴۱۱ھ لکھا ہے بعض نے ۴۱۶ھ بوقت وفات اس کی عمر اسّی سے زیادہ لکھی ہے۔ اس اعتبار سے (۸۱ یا ۸۲) کہے جاسکتے ہیں۔

علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ وہ شاہنامہ کی تکمیل کے بعد چار برس زیادہ زندہ نہیں رہا۔ شاہنامہ کی تکمیل کا سن ۴۰۰ھ بیان کیا جاتا ہے اس لئے (۷۹) سال ہوئے۔ چار سال بعد کو زندہ رہا اس لئے (۷۹+۴ = ۸۳) سال کی عمر ہوئی۔ ایک بیان میں اس کا دربار سلطانی میں (۸۵) برس کی عمر میں آنا ثابت ہوا ہے۔ لہذا فردوسی اپنے مرنے سے دو سال بعد سلطان محمود کے دربار میں آیا۔

پسماندگان فردوسی

صاحب چہار مقالہ لکھتا ہے کہ فردوسی کے لڑکی تھی۔ دولت شاہ نے لکھا ہے بہن تھی۔ باقی لکھنے والوں میں سے کسی نے چہار مقالہ سے موافقت کی ہے کسی نے دولت شاہ کا ساتھ دیا ہے۔

فردوسی نے شاعری کس عمر میں شروع کی اور کہاں شروع کی

چہار مقالہ اور شاہنامے کی روایتوں سے ثابت ہوا ہے کہ فردوسی طوس میں تھا اور شاعری کرتا تھا۔ دولت شاہ نے لکھا ہے فردوسی گورنر طوس کے ظلم سے تنگ آکر غزنین آیا یہاں آکر اس نے دربار شاہی تک فریاد کے لئے رسائی نہ پائی تو شاعری شروع کی۔ یہاں ہر خاص و عام سے اس کا یہی ذریعہ معاش تھا۔ اس کو یہ آرزو تھی کہ استاد عنصری تک رسائی حاصل کرے۔ ایک مدت کے بعد وہ باغ میں گیا (آگے وہی مصرعے لگانے کی داستان)

گذشتہ بیانات میں فردوسی کا دربار سلطانی میں آنا (۸۵ یا ۷۸)

فردوسی کا سن وفات ۴۱۱ھ ہوا۔ بوقت تکمیل شاہنامہ اس سے زیادہ عمر قریب ستر برس بیان کی ہے اس لئے ۹۴

برس کی عمر میں ثابت ہوا ہے۔ لہذا طوس سے غزنین آکر دو چار برس پریشان رہا ہوگا۔ اس لئے اس کی شاعری کا آغاز (۸۱ یا ۸۴) برس کی عمر سے ہوا حسب بیان مرقومہ بالا (۲-۹) سال شاعری کر سکا۔ پھر شاہنامہ پر (۳۵) برس کس نے محنت کی۔

شاہنامہ کا مصنف

شاہنامہ فردوسی کی تصنیف مشہور ہے لیکن بروئے تحقیق اس کے تین مصنف ثابت ہوتے ہیں، ہاں اس میں زیادہ حصہ فردوسی کا ہے۔

ایکہزار اشعار اس میں دقیقی کے ہیں (تذکرہ ہفت اقلیم و مجمع الفصحا) فردوسی کو بھی اس کا اقرار ہے ؎

زگشتاسپ و ارجاسپ بیتی ہزار   بگفت و سر آمد ورا روزگار
پذیرفتم و داشتم زو سپاس   مرا در دل آمد ز ہر گوہر اس

تاریخ فرشتہ کا بیان ہے۔

"استاد اسدی طوسی در روزگار سلطان محمود استاد فرقہ شعرائے خراسان بود اور ابکرات تکلیف نظم شاہنامہ کرد ندا و پیری و ضعیفی را بہانہ کردہ استغفار کرد دیوان او متعارف نیست و در مجموعہائے شعرا بہ نظر می آید، فردوسی کہ شاگرد اوست ہمیشہ اشارت نظم شاہنامہ میکرد تا آخر خیان شد و چون فردوسی از غزنین گریخت بطوس و از انجا بہ رستمدار (قہستان)

وطالقان رفتہ باز بطوس مراجعت کرد در حین قرب وفات اسدی را بخواند و گفت وقت رحلتست و از شاہنامہ قلیلے ماندہ بکسے را قوت نباشد کہ باقی را بعید نظم در آرد، اسدی گفت ای فرزند غمگین مباش اگر حیات باشد من باتمام رسانم فردوسی گفت لے اُستاد تو پیری مشکل کہ این کار از تو کفایت شود اسدی گفت انشاءاللہ تعالیٰ بشود و در ہمان چند روز شروع کردہ از اول استیلائے عرب بر عجم تا آخر کہ چار ہزار بیت می شود بقید نظم در آورد و فردوسی ہنوز زندہ بود کہ بنظرش گذرانید و او خوشحال شدہ بر ذہن مستقیم استاد آفرین خواند۔"

یہ روایت اسی طرح آتشکدۂ آذر میں ہے۔

شاہنامہ تصنیف فردوسی بصنعت لزوم زبان فارسی تکملۂ آن حکیم اسدی استاد فردوسی کردہ بود (خیابان)

شاہنامہ کی تعداد اشعار

اکثر مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ شاہنامہ میں ساٹھ ہزار اشعار تھے۔ تاریخ اسلام عباسی میں ہے کہ اسی ہزار تھے۔ لیکن ان دونوں تعدادوں کا تیئس نسخوں میں سے ایک بھی نہ نکلا۔

شاہنامہ کا آغاز کس طرح ہوا

شاہنامہ کی تصنیف کا فردوسی نے طوس میں خود قصد کیا۔ اپنے ایک

دوست سے مشورہ کیا۔ اس نے اس کی تائید کی اور اس کو تاریخی مواد دیا
فردوسی نے یہ خود بیان کیا ہے ؎

بشہرم یکے مہربان دوست بود   تو گفتی کہ با من بہ یک پوست بود
مرا گفت خوب آمد این رائے تو   بہ نیکی خرامد مگر پائے تو
نوشتہ من این نامہ پہلوی   بہ پیش تو آرم مگر منغنوی
شو این نامہ خسروان بازگو   بدین جوئے زد میہمان آبرو
چو آورد این نامہ نزدیک من   برافروخت این جان تاریک من

چہار مقالہ کی عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی خود ہی شاہنامہ تصنیف کر رہا تھا۔ فردوسی کے جس دوست نے اس کو یہ مواد دیا اس کا نام محمد لشکری تھا جب فردوسی نے یہ کام شروع کیا تو اپنے پیر و مرشد شیخ محمد معشوق طوسی سے ذکر کیا۔ شیخ نے ابو منصور گورنر طوس کو خط لکھدیا۔ ابو منصور یہ خط دیکھکر بہت خوش ہوا اس نے فردوسی کی تنخوا مقرر کر دی کچھ عرصہ کے بعد منصور مر گیا۔ فردوسی خود اس واقعہ کو بیان کرتا ہے ؎

بدین نامہ چون دست کردم دراز   یکے مہترے بود گردن فراز
جوان بود از گوہر پہلوان   خردمند بیدار روشن روان
مرا گفت کز من چہ آید ہمے   کہ جانت سخن برگراید ہمے
بچیزے کہ باشد مرا دسترس   بکوشم نیازت نیازم بکس
چنان نامور گم شد از انجمن   چو از باد سرو سہی در چمن

اس کا نام محمد بن منصور تھا۔ یہ سنہ ۳ھ میں مرا۔ اس وقت تک سلطنت

غزنین کا اثر طوس پر نہ تھا۔ بلکہ طوس وغیرہ مقامات سیمجوریوں کے جولانگاہ تھے۔ یہ منصور بھی غالباً سیمجوریوں کی طرف سے حاکم تھا۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ منصور کے بعد ارسلان خان گورنر طوس نے فردوسی کی قدردانی کی اور دربار سلطانی میں سفارش کی اسی سفارش پر فردوسی طلب کیا گیا (یہ ارسلان جاذب ہی سلطان کا غلام تھا سنہ ۳۸۹ھ میں طوس کا گورنر تھا) یہ بھی لکھا ہے کہ حی قتیبہ گورنر طوس تھا۔ وہ فردوسی کا قدردان اور معاون تھا۔ اس کے متعلق فردوسی کا یہ شعر ہے ؎

کہ حی قتیبا است از آزادگان　　　کہ از من نخواہد سخن رائیگان

یہ حسین قتیب ہے فردوسی کا یہ شعر اس کے متعلق ہے ؎

ہمہ کارہا شد سر اندر نشیب　　　مگر دست گیرد حسین قتیب

غرض سلطان محمود کی فرمائش کا ثبوت نہیں۔

شاہنامہ کی مدت تصنیف

۶ سال۔ فردوسی قصہ بنظم می آورد تا مدت شش سال تمام کرد (دیباچہ قدیم)

۲۵ سال۔ بست و پنجسال درآن مشغول بود (چہار مقالہ)

بہ بست و پنجسال از نوک خامہ　　　بسر می بردبیت شاہنامہ (اسکندر نامہ)

۱۵ سال۔ چہار مقالہ کے بعض نسخوں میں بست و پنج کی جگہ پانزدہ لکھا ہے ممکن ہے کہ کاتب کی غلطی ہو۔

۳۰ سال ؎

کزان پس شد پنج سی سالہ ام　　شنید آسمان از زمین نالہ ام (فردوسی)
بسے رنج بردم دریں سال سی　　عجم گرم کردم بدیں پارسی (فردوسی)

۳۵ سال سے

چو بر باد دادند گنج مرا　　نبد حاصلے سی و پنج مرا (فردوسی)
بسی سال و پنج از سرائے سپنج　　چنیں رنج بردم با میدہ گنج (فردوسی)

۱۳ سال سے

سہ دہ سال رنج و مشقت کشید　　کہ تا نظم شاہنامہ آمد پدید (سلطان محمود)

۶-۱۳-۱۵-۲۵ یہ مدتیں تو غیروں نے بیان کی ہیں۔ فردوسی سے (۳۰ و ۳۵) دو مدتین منقول ہیں۔ تیس کے متعلق جو اشعار ہیں، ان میں دوسرا شعر غلط ہے وہ فردوسی کا نہیں ہو سکتا۔ ۳۵ کی مدت دو صحیح اشعار سے ثابت ہے۔ ساٹھ ہزار اشعار تاریخی کا صنعت لزوم میں (۳۵) سال میں مکمل ہو جانا سہل نہیں بہت مشکل ہے۔ اس لئے یہی مدت صحیح ہے

شاہنامہ کا سال آغاز

شاہنامہ کی مدت تصنیف ۶-۱۳-۲۵-۳۰-۳۵ سال بیان کیگئی ہے اور سال اختتام ۳۷۱ھ ۳۸۴ھ ۳۹۱ھ ۴۰۰ھ بیان کیئے گئے ہیں۔
بعد تکمیل (۲۰) سال تک فردوسی نے اس کا محفوظ رکھنا بیان کیا ہے

سخن را نگہ داشتم سال بیست　　کہ تا بینم سزاوار این گنج کیست

اس لئے اگر مدت تصنیف ۶ سال ہے تو (۶+۲۰=۲۶) (۳۷۱-۲۶

= سنہ ۳۴۵) سال آغاز ہوا
سنہ ۳۴۱ کو سال اختتام مان کر (۱۳) سال مدت کے اعتبار سے سنہ ۳۲۸
اور (۲۵) کے اعتبار سے سنہ ۳۲۰ اور (۳۰) کے اعتبار سے سنہ ۳۲۱ اور (۳۵)
کے اعتبار سے سنہ ۳۱۶ ہوتے۔
سنہ ۳۸۴ کو سال اختتام مان کر سنہ ۳۵۸ سنہ ۳۵۱ سنہ ۳۴۹ سنہ ۳۳۵ سنہ ۳۳۰
ہوتے ہیں۔
سنہ ۳۸۹ کو سال اختتام مان کر سنہ ۳۶۳ سنہ ۳۵۶ سنہ ۳۴۴ سنہ ۳۳۹
سنہ ۳۳۴ ہوتے ہیں۔
سنہ ۳۹۱ کو سال اختتام مان کر سنہ ۳۶۵ سنہ ۳۵۸ سنہ ۳۴۶ سنہ ۳۴۱
سنہ ۳۳۶ ہوتے ہیں۔
سنہ ۴۰۰ سال اختتام مان کر سنہ ۳۷۴ سنہ ۳۶۷ سنہ ۳۵۵ سنہ ۳۵۰ سنہ ۳۴۵ ہوتے ہیں
ان میں سب سے بڑا عدد سنہ ۳۷۴ ہے۔ سلطان محمود سنہ ۳۸۸ میں
تخت نشین ہوا (۱۴) شاہنامہ کے آغاز سے (۱۴) سال بعد پھر شاہنامہ
کا سلطان کی فرمایش سے لکھا جانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے
فردوسی نے منصور کو بھی شاہنامہ کا سرپرست بیان کیا ہے اور منصور
سنہ ۳۷۰ میں مرا اس لئے شاہنامہ کا آغاز سنہ ۳۷۰ سے قبل ماننا پڑے گا۔
ان اعداد میں ایک عدد سنہ ۳۶۷ ہے اس لئے یہی صحیح ہے۔

شاہنامہ کا سال اختتام

شاہنامہ سنہ ۴۰۰ میں مکمل ہو کر سلطان کے دربار میں پیش ہوا۔

اکثر مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے یہی لکھا ہے۔

فردوسی کے بیان سے مختلف سن ثابت ہوتے ہیں۔

سنہ ۴۰۰ - زہجرت شدہ پنج ہشتاد بار   کہ گفتم من این نامۂ شہریار

سنہ ۳۷۱ - چو سال اندر آمد بہفتاد و یک   ہمہ شعر زیر اندر آمد فلک

سنہ ۳۹۴ - سر آمد کنوں قصۂ یزدگرد   بماہ سفندارمذ روز ارد

زہجرت شدہ سی صد از روزگار   چو ہشتاد و چار از برس بر شمار

(شاہنامہ قدیم برٹش میوزیم)

شاہنامہ برٹش میوزیم پر اس کا سال اختتام بھی درج ہے حاجی خلیفہ نے بھی یہی لکھا ہے ابو الفتح علی بن محمد البنداری الاصفہانی نے جس نے شاہنامہ کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اس کا سال اختتام بھی لکھا ہے۔

سنہ ۳۸۹ - اگر سال ہر آمدوت آمد است   نہم سال و ہشتاد با سی صد است

سنہ ۳۹۱ - چہار مقالہ کی وہ روایت نقل کیجا چکی ہے کہ محمود ہندوستان سے واپس آرہا تھا۔ ایک باغی کو پیغام بھیجا جس پر وزیر نے یہ شعر پڑھا ؎

(اگر جز بکام من آید جواب)

تو گویا محمود کے ہندوستان پر حملہ کرنے سے قبل شاہنامہ مکمل ہو چکا تھا محمود کا حملہ ہندوستان پر سنہ ۳۹۲ میں ہوا اس لئے سنہ ۳۹۳ سے قبل شاہنامہ پیش ہو چکا تھا۔ اور فردوسی بھاگ چکا تھا پس زیادہ سے زیادہ سنہ ۳۹۱ سنہ ۳۷۱ محمود کی ہندوستان والی حکایت سے سنہ ۳۹۱ میں شاہنامہ کا دربار سلطانی میں پیش ہونا ثابت ہوتا ہے اور فردوسی نے بیان کیا ہے

کہ میں نے (۲۰) برس تک اسکو اس لئے محفوظ رکھا کہ کس کے نام پر معنون کروں ۔

سخن را نگہ داشتم سال بیست
کہ بینم سزاوار این گنج کیست

اسلئے (۳۹۱ - ۲۰ = ۳۷۱ھ) میں شاہنامہ مکمل ہوا۔

۴۰۲ھ تک شاہنامہ ختم نہیں ہوا تھا اور فردوسی اس سن تک دربار سلطانی میں موجود تھا یہ بات داستان وفات سکندر کے خاتمہ سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس قحط کا ذکر ہے جس میں سلطان نے رعایا کو ایک سال کا خراج معاف کر دیا تھا۔

گذشتہ ز شوال دہ با چہار
یکے آفرین باد بر شہریار
ازین مژدہ دادند بہر خراج
کہ فرمان بہ از شاہ با فر و تاج
کہ سالے خراجے نخواہند بیش
ز دیندار و بیدار و از مرد کیش

مورخ عتبی نے لکھا ہے کہ یہ معافی خراج والا قحط ۴۰۲ھ میں ہوا۔

صحیح یہ ہے کہ شاہنامہ فردوسی کی حیات میں مکمل نہیں ہوا۔

سال اختتام ۴۰۰ھ کثرت سے بیان کیا گیا ہے اس میں سے مدت تصنیف (۳۵) سال تفریق کیجائے تو ۳۶۵ھ برآمد ہوتے ہیں لہذا ۳۶۵ھ سے آغاز ماننا پڑے گا۔ گویا سلطان کی تخت نشینی سے (۲۳) سال قبل شاہنامہ کا آغاز ہوا پھر اس کو سلطان کی فرمائش سے کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے

فردوسی نے شاہنامہ کس عمر میں شروع کیا

فردوسی نے ۴۰۰ھ میں اپنی عمر (۷۹) بیان کی ہے اس لئے اس کا سال ولادت

سنہ ۳۲۱ ہے اور سنہ ۳۷۱ میں اس نے شاہنامہ کا ختم کرنا بیان کیا ہے۔ (۳۵) سال مدت تصنیف اور ۲۰ سال اس کا محفوظ رکھنا بیان کیا ہے اسلئے (۳۵+۲۰=۵۵) (۳۷۱-۵۵=۳۱۶) میں اس نے شاہنامہ تصنیف کرنا شروع کیا۔ گویا اپنی ولادت سے چھ سال قبل ایک جگہ مدت تصنیف (۳۰) بیان کی ہے۔ اس اعتبار سے شاہنامہ کا آغاز سنہ ۳۲۱ میں ہوتا ہے گویا جس دن پیدا ہوا اُسی دن سے شاہنامہ لکھنا شروع کر دیا۔

فردوسی نے کس عمر میں شاہنامہ ختم کیا

شاہنامہ کا آغاز سلطان کی فرمائش سے بیان کیا ہے سلطان سنہ ۳۸۷ میں تخت نشین ہوا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ فردوسی شاہنامہ نظم کرے تو (۳۵) سال میں شاہنامہ طیار ہوا اور سلطان نے (۳۲) سال حکومت کی تو سلطان کی وفات سے تین سال بعد طیار ہوا اور فردوسی نے اپنے مرنے سے گیارہ سال بعد یا چھ سال بعد شاہنامہ ختم کیا کیونکہ اس کی وفات کے متعلق دو سن بیان کئے گئے ہیں سنہ ۴۱۱ و سنہ ۴۱۶۔

شاہ نامہ کا مقام آغاز و اختتام

چہار مقالہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی طوس میں شاہنامہ لکھ رہا تھا۔ پھر اس کو سات جلدوں میں نقل کرا کر غزنین لیگیا۔ اس سے ثابت ہے کہ طوس ہی میں شروع ہوا اور طوس ہی میں ختم ہوا۔

تاریخ فرشتہ اور خیابان کے بیان سے ثابت ہے کہ فردوسی کے مرنے

تک شاہنامہ مکمل نہ ہوا تھا۔ بعد کو اسدی نے مکمل کیا۔ اس روایت سے بھی مقام آغاز و اختتام طوس ہی ثابت ہوتا ہے۔

اس قسم کی چند روایات نقل کیجا چکی ہیں کہ فردوسی کو سلطان نے شاہنامہ پر مامور کیا، ان روایات سے شاہنامہ کا آغاز غزنین میں اختتام بھی غزنین میں ثابت ہوتا ہے۔

دولت شاہ کے بیان سے ثابت ہے کہ فردوسی نے شاعری غزنین میں آکر شروع کی تو شاہنامہ کا آغاز غزنین میں ثابت ہوا۔

فردوسی اور دربار سلطانی

فردوسی کس طرح دربار سلطانی میں پہونچا۔ اس واقعہ کے ہر ہر جزو میں اختلاف ہے صاحب چہار مقالہ نے لکھا ہے کہ علی دیلم اور بوذلف فردوسی کو غزنین لیکر گئے اور خواجہ بزرگ حسن میمندی کے ذریعہ باریاب ہوئے، صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہے۔ طوس کے حاکم کے ظلم سے تنگ آکر فردوسی غزنین گیا، ایک باغ میں عنصری عسجدی، فرخی شاہی شعراء بیٹھے تھے فردوسی بھی پہونچگیا، ان کو ناگوار ہوا انہوں نے کہا ہم شاہی شعراء ہیں اگر تو شاعر ہے تو ہمارے پاس بیٹھ جاورنہ چلا جا ہم ایک ایک مصرعہ کہتے ہیں تو بھی ایک مصرعہ کہہ۔

عنصری نے کہا — چون عارض تو ماہ نباشد روشن
عسجدی نے کہا — مانند رخت گل نبود در گلشن
فرخی نے کہا — مژگانت ہمی گذر کند از جوشن

فردوسی نے کہا مانند سنان گیو در جنگ پشن

یہ سنکر عنصری نے فردوسی کے مصرعہ کی بہت تعریف کی اور کہا کہ تو تاریخ عجم سے واقف ہے فردوسی نے کہا ہاں اور وہ میرے پاس موجود ہے عنصری نے فردوسی کو اپنا مصاحب بنالیا۔

(اس زمانے کے اکثر مصنف ناموں سے مرعوب ہوجاتے ہیں اور کسی معاملہ کو اسکی اہمیت بڑھانے کے لئے بے سوچے سمجھے لکھدیتے ہیں۔ مسٹر احسان اللہ مصنف تاریخ اسلام اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں اِن شاعروں (یعنی عنصری وغیرہ) نے سمجھا تھا کہ روشن گلشن جوشن کے علاوہ اور کوئی لفظ نہ ملے گا، کوئی پوچھے حضرت اس کے تو سینکڑوں قافیے ہیں۔ چمن زمن۔ دہن۔ وطن وغیرہ، آپ کیسے سمجھ بیٹھے کہ اِن شاعروں نے یہ سمجھا تھا کہ دوسرا لفظ نہ ملے گا۔ اگر جناب کو شاعری میں دخل نہ تھا تو اس رائے کا لکھنا کیا ضرور تھا۔ کشن سمجھنے انبوہ بسیار بھی اس کا قافیہ ہے۔ فردوسی نے خود اس قافیہ کو باندھا ہے۔ ایاز کی تعریف میں لکھتا ہے ؎

یکے سرو بر سبز و بر گش کشن بر و شاخ چون رزمگاہ پشن)

"مانند سنان گیو در جنگ پشن" یہ مصرعہ فردوسی کا نہیں ہوسکتا کیونکہ مقام پشن کی جنگ میں جو ایرانیوں اور تورانیوں میں ہوئی تھی ایرانی بھاگے تھے۔ انہیں میں گیو بن گودرز بھی تھا۔ اس لئے اس جنگ میں گیو کے لئے کوئی فخر و تعریف کا موقع نہ تھا۔ شرم کا موقع تھا۔ چنانچہ شاہنامہ میں ہے

کہ ہومان تورانی یہ شکست گیو کو یاد دلاتا ہے ؎

تو دانی کہ من روز جنگ پشن چہ گشتم بدان رزمگاہ کشن

سلطان نے عنصری کو تاریخ عجم نظم کرنے کا حکم دیا۔ اس کو یہ کام مشکل معلوم ہوا۔ اس نے فردوسی سے دریافت کیا کہ تو شاہنامہ نظم کر سکتا ہے فردوسی نے کہا ہاں۔ عنصری نے اس کو دربار سلطانی میں پیش کر دیا۔

بعض نے لکھا ہے کہ فردوسی باغ میں شعرا کی مجلس میں گیا، اُن سے موافقت نہ ہوئی چلا آیا۔ اتفاقاً سلطان کے مصاحب ماہک سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے اس کو اپنا مصاحب بنا لیا۔ عنصری نے رستم و سہراب کی داستان لکھکر سلطان کے حضور میں پیش کی۔ ماہک نے فردوسی سے ذکر کیا۔ اس نے داستان رستم و اسفندیار نظم کر کے ماہک کو سنائی، ماہک نے اس کو سلطان کے حضور میں پیش کر دیا۔ سلطان نے کہا ہر ایک ایک مصرعہ کہے، اس طرح مرقومہ بالا مصرعے کہے گئے۔ سلطان نے فردوسی کا مصرعہ پسند کیا۔ اور اس کو نظم شاہنامہ پر مامور کیا۔ (آتشکدۂ آذر)

شاہنامہ میں فردوسی اپنا محسن ابوالعباس خواجہ فضل بن احمد وزیر اوّل (یہ وزیر دس سال رہا۔ ۴۰۱ھ میں معزول ہوا۔ تاریخ یمینی) کو بیان کرتا ہے اس کی مدح لکھتا ہے ؎

ز دستور فرزانۂ دادگر پراگندہ رنج من آمد بسر

ایک روایت یہ ہے کہ ارسلان خان گورنر طوس نے دربار سلطانی میں فردوسی کی سفارش کی۔ سلطان نے اس کو طلب کر لیا۔

عظیم سمرقندی کا بیان ہے کہ ارسلان خان کی مدح میں فردوسی نے کوئی قصیدہ نہیں لکھا اس لئے ارسلان خان اس کو ستانے لگا وہ مجبور ہو کر طوس کو چلا گیا۔ اسی دوران میں دربار سلطانی سے فردوسی کی طلبی آگئی۔ (ارسلان خان اور فردوسی طوس ہی میں تھے۔ اب کون سے طوس کو چلا گیا) فردوسی روانہ ہو گیا۔ سلطان کے میر منشی بدیع الدین نے رودکی اور عنصری وغیرہ شعراء سے فردوسی کی طلبی کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہئیے کہ فردوسی نہ آئے چنانچہ مشورہ کے بعد ان شعراء نے فردوسی کو خط لکھا کہ سلطان قدر دان نہیں ہم لوگ بھی یہاں سے جانے والے ہیں چونکہ آپ ہمارے ہم پیشہ ہیں۔ اس لئے آپ کو لکھتے ہیں کہ یہاں آکر ذلیل نہ بنو۔ یہ خط ہرات میں فردوسی کو ملا۔ فردوسی بہت افسردہ ہوا اسی دوران میں میر منشی سے اور عسجدی سے چل گئی۔ میر منشی نے فردوسی کو خط لکھا کہ جو خط تم کو شعرا نے لکھا ہے وہ دھوکہ دینے کے لئے لکھا ہے تم فوراً آؤ، فردوسی نے جواب میں لکھا میں حاضر ہوتا ہوں اور یہ اشعار لکھے ؎

بگوشش از سرو شم لبے پُر دہاست | دلم گنج گوہر زبان اژدہاست
چہ سنجد سیزان من عنصری | گیا چون کشد پیش گلبن سری
زبے دانشی باشد و کودکی | کہ رائے فردوسی زند رودکی

(حیات فردوسی بحوالہ سر جارج ہملٹن)

اس روایت میں وہی تاریخی غلطی ہے جس کا ذکر ہو چکا کہ رودکی سلطان کے عہد میں نہ تھا یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شعرا اگر ایسا خط لکھتے تو میر منشی او

فردوسی دونوں کو ہاتھ کے ہاتھ ان سے بدلہ لینے کا خاص موقع تھا۔ وہ خط سلطان کے حضور میں پیش کر دیا جاتا۔ کیونکہ اس میں سلطان کی قدر دانی پر دھبہ لگایا گیا تھا۔

ایک صورت اس روایت کی یہ ہے کہ عنصری۔ فرخی۔ زینبی۔ چنگیزنی خرمی۔ ترنذی، ان سات شعرا کو سلطان نے شاہنامہ نظم کرنے حکم دیا، (چنگیزنی وغیرہ محمود کے درباری نہ تھے یہ کہیں لکھا جا چکا ہے)

فردوسی کو جب یہ معلوم ہوا پہونچا اور دربار سلطانی میں اطلاع کیلئے آدمی بھیجا اور خود باغ میں ٹہلنے لگا۔ وہاں عنصری وغیرہ بیٹھے تھے (آگے وہی مصرعہ لگانے کی داستان) فردوسی کا مصرعہ سنکر عنصر حیران ہو گیا اور آدمیوں کو بہکا دیا کہ اس کی اطلاع نکریں۔ فردوسی مدت تک پریشان رہا آخر ماہک کے ذریعہ دربار سلطانی میں رسائی پائی اور یہ نظم پیش کی ؎

چو خورشید ہرگاہ بنمود تاج — زمین شد بکردار تابندہ عاج
چہ گوئی کہ خورشید تابان چہ بود — کزو در جہاں روشنائی فزود (الخ)

عنصری یہ اشعار سنکر فردوسی کے قدموں پر گر پڑا اور کہا ؎

سخن گرچہ آمد ز چرخ بلند — چو بازش بران بردی ای ہوشمند
تو دادی درین عرصہ داد سخن — کہ بادی ستودہ بہر انجمن
نمودہ ہنر عنصرت بے شمار — بماند چو نامت سخن یادگار
تو شاہنشہ ملک نظم دری — بہ بندد بہ پیشت کمر عنصری

اس کے بعد سلطان نے فردوسی کو شاہنامہ نظم کرنے کا حکم دیا۔

مجمع الفصحا میں ہے کہ ایاز کے ذریعے سے فردوسی نظم شاہنامہ پر مامور کیا گیا

فردوسی دربار سلطانی میں کس عمر میں آیا اور کس عمر میں نکالا گیا

فردوسی پچاسی برس کی عمر میں دربار سلطانی میں اپنا آنا بیان کرتا ہے

ازامروز تا سال ہشتاد و پنج　　نگہ دارم اورا بامید گنج
من این نامہ آخر گرفتم بفال　　ہمی رنج بردم بہ بسیار سال
سخن را نگہ داشتم سال بیست　　بدان تا سزاوار این گنج کیست
جہاندار محمود با فر وجود　　کہ اورا کند ماہ و کیوان سجود

دوسری جگہ (۸۰) سال بیان کرتا ہے داستان کیخسرو کے خاتمہ پر

بدانگہ کہ بد سال ہفتاد و ہشت　　جوان بودم و چون جوانی گذشت
خروشے شنیدم ز گیتی بلند　　کہ اندیشہ شد پیر و من بے گزند
کہ باشد بہ پیری مرا دستگیر　　خداوند شمشیر و تاج و سریر
کہ این نامہ بر نام شاہ جہان،　　بگویم نمانم سخن در میان
یکے بندگی کردم اے شہریار　　کہ ماند ز تو در جہان یادگار

یہ کیا عجیب تماشا ہے کہ ۸۵ - ۸۷ برس کی عمر میں تو دربار میں پہنچنا بیان کرتا ہے اور ۷۹ برس کی عمر میں خارج ہونا بیان کرتا ہے

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد　　امیدم بہ یکبارہ برباد شد

دربار سلطانی میں فردوسی کے بہی خواہ

گزشتہ بیان سے حسن میمندی، عنصری، ماہک، خواجہ ابوالعباس

فضل ابن احمد اسفرائینی وزیر۔ بدیع الدین میر منشی، ایاز یہ لوگ دربار شاہی میں فردوسی کے محسن دوست ثابت ہوئے ہیں۔ ایاز فردوسی کو باپ کہا کرتا تھا اور فردوسی اسکو بیٹا کہا کرتا تھا (حیات فردوسی)

دربار سلطانی میں فردوسی کے دشمن

جو فردوسی کے بہی خواہ اور مربی ظاہر کئے گئے ہیں وہی دشمن بتائے گئے ہیں۔ حسن میمندی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ چونکہ خارجی المذہب تھا اسلئے فردوسی کا مخالف تھا۔ فردوسی نہ اس کی مدح میں کچھ کہتا تھا نہ اس کے مکان پر جاتا تھا۔ یہ رباعی فردوسی نے لکھی تھی ؎

من بیش کز مبادی فطرت بنودہ ام
مایل بمال ہرگز وطامع بجاہ نیز
سوئے در وزیر چرا ملتفت شوم
چون فارغم زبارگہ پادشاہ نیز

یہ اشعار بھی فردوسی نے اس کے متعلق لکھے تھے ؎

بدل ہر کہ بغض علی کرد جائے	زمادر بود عیب آن تیرہ رائے
کہ ناپاک زادہ بود خصم شاہ	اگرچند باشد بایوان گاہ
ز میمندی آئین مردی مجو	زنام و نشانش مکن جستجو
قلم بر سر او بزن ہمچو من	کہ گم باد نامش بہر انجمن
بگفتہ حسن گر ثر یا وہ گو،	نشاید شنیدن سخن زشت او

یہ نظم بھی فردوسی کی نہیں ہو سکتی اسلئے (۱) کہ یہ حسن میمندی محمود کے دربار

میں نہ تھا (۲) پہلے شعر کے مصرع اوّل میں بدل اضافت کے ساتھ پڑھا جائے تو صحیح ہوگا اور بصورت اضافہ مصرعہ نہ ملے گا (۳) آخری شعر مہمل ہے۔

دیباچہ بایسنغر خانی میں ہے۔

"ارکان (دربار سلطانی) ازین جہت بافردوسی انواع خلق و محبت و کرم ہمی نمودند و فردوسی در مدح ایشان سخن گفتے حسن میمندی ازین جہت بافردوسی مظنہ داشتے۔"

عنصری فردوسی کا مخالف تھا۔ اس کے متعلق پہلے روایت نقل کیجا چکی ہے، ایاز فردوسی کا مخالف تھا۔ (تذکرہ دولت شاہ سمرقندی) ابو سہل ہمدانی وزیر و ابو منصور دبیر فردوسی کے مخالف تھے۔ (دیباچہ قدیم)

دربار سلطانی سے فردوسی کا اخراج

اکثر مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے سلطان انعام میں بجائے دہم طلا کے درہم نقرہ دینے لگا اس لئے فردوسی ناراض ہوکر چلا آیا۔ عظیم سمرقندی کی روایت یہ ہے کہ فردوسی نے رستم و اسفندیار کی داستان چھپا کر فخر الدولہ دیلمی کے پاس بھیجی۔ اس نے ہزار دینار انعام بھیجا۔ یہ راز فاش ہوگیا۔ چونکہ فخر الدولہ اور محمود کی عداوت تھی۔ محمود کو ناگوار گذرا یہ محمود کی قدردانی پر سخت حملہ اور دھبہ تھا۔ روایت میں یہ تاریخی غلطی ہے کہ سلاطین دیالمہ میں سے فخر الدولہ محمود کا ہمعصر نہ تھا۔ اس

اس خاندان کے چار فرمانروا محمود کے ہمعصر ہوئے ہیں۔ بہاء الدولہ۔ مجد الدولہ۔ سلطان الدولہ۔ شرف الدولہ۔ فخر الدولہ ۳۸۷ھ میں مرا محمود کی تخت نشینی سے قبل۔

ایک روایت یہ ہے کہ علما نے شکایت کی کہ فردوسی نے آتش پرستوں کی بڑے زور سے مدح کی ہے اور بزرگان اسلام کی توہین کی ہے اور اس کے اس قسم کے اشعار پیش کئے ؎

ز شیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسید است کار
کہ تاج کیان را کند آرزو — تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

سلطان اس پر ناخوش ہوا۔

ایک روایت یہ ہے کہ فردوسی نے سلطان کے مذہب پر مہذب و غیر مہذب حملے کئے۔ اس پر سلطان ناخوش ہوا

دیباچہ قدیم میں ہے۔

"اما بر سر شاہنامہ شرط ادب نگاہ نداشتہ بود سخن در مذہب خود گفتہ

گرت زین بد آید گناہ من است — چنین است این رسم و راہ من است

سلطان را ناخوش آمد و سیاست فرمود پس عنصری و جملہ شاعران زمین بوس کردند و او را از سیاست خلاص دادند"

ایک روایت ہے کہ فردوسی کے مخالفوں نے سلطان سے کہا کہ یہ قرمطی ہے۔ سلطان نے فردوسی سے دریافت کیا۔ فردوسی نے سلطان کے پیروں پر گر کر کہا میں سنی المذہب ہوں

سلطان نے کہا کہ اس فرقہ کے بڑے بڑے لیڈر طوس کے رہنے والے تھے خیر میں تجھ کو معاف کرتا ہوں تو اس مذہب سے توبہ کرے اسوقت سے فردوسی بدگمان و خائف ہوگیا۔

صاحب حیات فردوسی نے اسواقعہ کے متعلق ایک طویل داستان لکھی ہے جس سے کلیئر کا نقشہ دربار سلطانی میں نظر آتا ہے۔ ایک طرف سے سوال ہے دوسری طرف سے جواب ہے۔ بیت بازی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۲۵ برس میں فردوسی نے ساٹھ ہزار اشعار پر شاہنامہ ختم کرکے سلطان کے حضور میں پیش کیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ ساٹھ ہزار اشرفیاں دیدی جائیں حسن میمندی نے کہا کہ یہ رقم کثیر دیکھکر اس کو شادی مرگ ہوجائے گا۔ اس لئے مناسب ہے کہ ساٹھ ہزار روپیہ دیا جائے۔ سلطان نے کہا اچھا فی الحال یہی بھیجدو باقی انعام اس کا بعد میں بھیجدیا جائیگا۔ ایاز یہ انعام لیکر گیا۔ فردوسی انعام کو دیکھکر افسردہ ہوا۔ ایاز نے یہ واقعہ آکر سلطان سے کہا سلطان میمندی پر ناراض ہوا میمندی نے کہا ؎

عطا گرچہ اندک دہد بادشاہ — بہ بسیار یش کرد باید نگاہ،
کہ ہر کس کہ منظور شاہی بود — سزاوار دیہیم و گاہی بود،
گرت سیل باید پر قطرہ شو — تو این نکتہ از عین حکمت بشنو،
ز باران بود قطرہ از ابتدا — ولیکن شود سیل در انتہا،

اور کہا وہ قرمطی ہے اس لئے اس نے یہ عبارت کی یہ سنکر سلطان کا غصہ میمندی کی طرف سے فرو ہوکر فردوسی پر ہوگیا۔ اور اسکی وہ تمام شکایتیں بھی

یاد آ گئیں جو علما نے کی تھیں۔ سلطان نے کہا "آن قرمطی را باید او در پائے پیل اندازم"۔ ایاز نے فردوسی کو خبر پہونچائی۔ فردوسی آ کر سلطان کے پیروں میں گر پڑا اور کہا کہ میں قرمطی نہیں ہوں۔ دشمنوں نے مشہور کر دیا ہے۔ اور یہ اشعار پڑھے ؎

چو در ملک سلطان کہ حرص ستود | بسے ہست ترسا و گبر و یہود
کز ایشان بجزیہ کفایت کنند | ز مال و خون شان حمایت کنند
گرفتند در ظل عدلش قرار | شوند ایمن از گردش روزگار
چہ باشد کہ سلطان گردون شکوہ | رہی را شمارد یکے از گروہ

سلطان کا غصہ فرو ہوا معاف کر دیا۔ فردوسی کا دل مطمئن ہوا اس لئے بھلگنے کا ارادہ کیا۔ اس نظم کے دوسرے شعر کے آخر مصرعہ میں خون اضافت سے پڑھا جائیگا تو صحیح ہوگا اور بصورت اضافت مصرع نہ بنیگا تیسرے شعر کے مصرعہ اولی میں جمع کا صیغہ ہے اور مصرعہ ثانی میں واحد غلط ہے

ایک روایت یہ ہے کہ سلطان نے حسن میمندی کو قتل کرا دیا کہ میں تیرے سبب سے مطعون ہوا۔ داستان شیرین خسرو کی تمہید میں شاہنامہ کے ذکر کے بعد فردوسی سلطان سے اپنے تعلقات کی برہمی کا ذکر کرتا ہے ؎

بود بیت شش بار بیور ہزار | سخنہائے شایستہ غمگسار
نہ بیند کسے نامۂ پارسی | نوشتہ بابیات صد بار سی
دگر بار چوبیند از و بیت بد | ہمانا نہ باشد کم از پنج صد
چنین شہر یارے و بخشندہ | بگیتی ز شاہان درخشندہ

نکرد اندرین داستانہا نگاہ　　زبد گوئے و بخت بد آمد گناہ
حسد برد بدگوئے در کار من　　تبہ شد بر شاہ بازار من،

پہلے انعام کی کیا تعداد تھی اور کس طرح ملا اور اسکا مصرف

چہار مقالہ کی روایت ہے کہ بیس ہزار درہم فردوسی کو پہنچے، اور وہ رنجیدہ ہو کر حمام کو گیا، وہاں اس نے یہ روپیہ فقاعی اور حمامی کو تقسیم کیا (پہونچے) یہاں اس لفظ سے دو مفہوم ہو سکتے ہیں یا تو وہیں اسیوقت فردوسی کو دئے گئے یا اس کی فرودگاہ پر بھیجے گئے، حمام میں اس کا بعد وصول انعام جانا ثابت ہوتا ہے۔

بعض نے یہ لکھا ہے کہ ساٹھ ہزار روپیہ دئے یہ رقم حمام میں پہونچی فردوسی نے یہ روپیہ فقاعی، حمامی اور انعام لانیوالے کو تقسیم کر دیا۔

آتشکدہ آذر میں ہے کہ ایاز ساٹھ ہزار روپیہ لیکر گیا۔ فردوسی حمام میں تھا وہ دیکھکر ملول ہوا اس نے بیس ہزار ایاز کو دیا اور بیس بیس ہزار فقاعی (شراب فروش) اور حمامی کو دیدیا۔

دولت شاہ نے لکھا ہے کہ جس وقت شاہنامہ پیش ہوا اسیوقت ساٹھ ہزار درہم دئے گئے۔ فردوسی نے لئے اور بازار کو گیا پھر حمام میں گیا
خواجہ فریدالدین عطارؒ لکھتے ہیں کہ فردوسی کو پیلبار انعام دیا گیا تھا۔ (پیلبار یا پیلوار یعنی اسقدر روپیہ جس کا بار ہاتھی اٹھا سکے) چنانچہ لکھتے ہیں

اگر محمود اخبار عجم را　　بداد آن فیل و لشکر آن درم
اگر تو شعر آری فیل وارے　　نیابی یکدرم در روزگارے (الٰہی نامہ)

یہ پیلبار انعام محمود کا ایسا مشہور ہوا کہ انعام کے لئے پیل محمود شعرا میں اصطلاح قرار پاگئی۔ خواجہ نظامی لکھتے ہیں ؎

زر پیلبار از تو مقصود نیست ۔۔۔ کہ پیل تو چون پیل محمود نیست

میر معزی نے لکھا ہے ؎

زبہر نام اگر شاہ را ولی محمود ۔۔۔ بہ پیلوار شاعر ہمی شبانی داد

فردوسی کا فرار

فردوسی غزنین سے بھاگ کر طوس گیا وہاں سے طبرستان گیا (چہار مقالہ)
فردوسی غزنین سے بھاگ کر سمدار (قہستان) گیا (تذکرہ دولت شاہ)
فردوسی غزنین سے بھاگ کر ہندوستان آیا اور دہلی میں رہا (ریاض الشعرا)
فردوسی خراسان گیا (دیباچہ قدیم) فردوسی مکہ معظمہ گیا (مجمع الفصحا)

فردوسی غزنین سے قہستان گیا اور اس ملک کے دار الحکومت قیض میں ایک بڈھے کا مہمان ہوا، بڈھے نے اس کو ناصر الملک الملقب محتشم کے حضور میں پہونچا دیا ناصر لک نے فردوسی سے کہا۔ یہاں تمہارا ٹھیرنا مناسب نہیں اگر محمود کو خبر ہوگئی اور اس نے تمکو مجھ سے طلب کیا تو میری مجال نہیں کہ انکار کر سکوں۔ فردوسی وہاں سے ماژندران گیا اور قابوس والئی ماژندران سے کہا یہ کتاب تیرے نام پر معنون کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا میری یہ مجال نہیں میں فردوسی کا ماتحت ہوں یہاں فردوسی نے شاہنامہ پہ نظر ثانی کی

زغزنین چو فردوسی آمد برون ۔۔۔ ازانجا بماژندران شد درون

بگسترد آن جا بساط سخن ۔۔۔ وزو شد حکایت بہر انجمن

باصلاح شہ نامہ کرد او بسیج حشو اندرون نامہ نگذاشت ہیچ
دران بوم و بر چون توقف نمود بشہنامہ در والیش را ستود
بہ نظمیکہ بر نثر مسند نہاد بہ شعرے کہ شعرے بپایش فتاد
ستایش چنان کرد آن شاہ را کہ در تیرہ شب گمرہان ماہ را

قابوس نے فردوسی کو ایک جواہرات کا ہار اور سوا لاکھ درہم دئے اور کہا یہاں آپ کا قیام مناسب نہیں اس لئے فردوسی بغداد کو چلا گیا ۵

چو فردوسی آن جود و اشفاق دید گزیدہ سخنہائے والی شنید
پذیرفت و بر اوج خاطر نگاشت ہمہ ہوش را بر عزیمت گماشت
گرفت آن عطا از لبس شاد شد از انجا بگہ سوئے بغداد شد

بغداد میں فردوسی کو غزنین کا ایک سوداگر ملا اس نے کہا تیرے مخالف حسن میمندی کو بادشاہ نے نکال دیا فردوسی یہ سنکر بہت خوش ہوا اور ہجو لکھنے پر پشیمان ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجو لکھنے کا سبب انعام کی وعدہ خلافی نہ تھی بلکہ درباریوں کی سازش تھی۔ فردوسی نے ایک قصیدہ عربی میں وزیر اعظم بغداد کی مدح میں لکھا۔ وزیر نے انعام دیا۔ فردوسی نے سوداگر سے مشورہ کیا کہ شاہنامہ کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا جائے یا نہیں سوداگر نے کہا یہ مناسب نہیں اس میں کفار کی بیجا مدح ہے، مبادا خلیفہ ناراض ہو جائے، بغداد کی مدح لکھکر خلیفہ کے حضور میں پیش کرنی چاہئے، فردوسی نے ایک ہزار اشعار بغداد کی مدح میں لکھکر خلیفہ کے حضور میں پیش کئے خلیفہ نے فردوسی کو بہت

جواہرات دئے فردوسی نے پھر اپنا واقعہ بیان کیا خلیفہ نے کہا تم بیخوف وبیخطر یہاں رہو۔ محمود کو خبر ہوئی۔ کہ فردوسی بغداد میں ہے اور شاہنامہ کا واقعہ وہاں مشہور ہے اور لوگ مجھپر نفریں کرتے ہیں محمود نے ایک خط خلیفہ کو لکھا کہ میں نے سنا ہے دربار بغداد میں مجھ پر نفریں کیجاتی ہے۔ میں خادم اسلام ہوں آیندہ ایسا نہونا چاہئیے ورنہ مجکو اپنی فوج اور پیلان کوہ پیکر کا رخ بغداد کی طرف کرنا پڑے گا خلیفہ نے اس کے جواب میں فقط اسقدر لکھا۔ (الم۔ والسلام) محمود اس جواب کو دیکھکر متحیر ہوا کہ یہ کیا جواب ہے۔ بہت دیر کے بعد سمجھ میں آیا کہ الم سے اشارہ ہے (الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل) کیطرف۔ محمود اس جواب سے بہت خوش ہوا اور خلیفہ کو گرانقدر نذرانہ بھیجا۔ خلیفہ نے اس نذرانہ کا زیادہ حصّہ فردوسی کو بخشدیا

یہاں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ محمود کے ہمعصر تین خلیفہ ہیے، طالع باللہ، قادرباللہ، قایم بامراللہ یہ سب شاہ شطرنج تھے ان میں اسقدر قوت وحوصلہ کہاں تھا کہ محمود کے مخالف کو پناہ دیتے۔

بغداد میں فردوسی نے یوسف زلیخا تصنیف کرکے خلیفہ کے حضور میں پیش کی خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کی نقلیں ممالک محروسہ میں بھیجی جائیں اور ہر امیر اس کی نقل اپنے پاس رکھے فردوسی اب امن امان سے خوش رہتا تھا

چو در ظلّ والی ورا جائے شد   چو طوطی بشکر شکر خائے شد

بر آسودہ در ظلّ امن وامان   زبیداد سلطان و جور زمان

یہاں سے فردوسی طوس کو چلا گیا۔

شاہنامہ سلطان کے دربار میں مکمل ہو کر پیش ہوا یا نہیں

چہار مقالہ کی روایت سے ثابت ہے کہ سات جلدوں میں نقل ہو کر پیش ہوا۔ چند محققین کے اقوال نقل کئے گئے ہیں جن سے ثابت ہے کہ فردوسی کے بعد اسدی نے شاہنامہ مکمل کیا۔ اس لئے دربار سلطانی میں مکمل پیش ہونا صحیح نہیں ہو سکتا فردوسی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر بھی فردوسی نے لکھا تھا وہ کل سلطان کے حضور میں پیش نہیں ہو سکا ؏

نکرد اندرین داستانہا نگاہ   زبد گوی و بخت بد آمد گناہ

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شاہنامہ فردوسی نے (۳۵) سال میں تیار کیا۔ سلطان نے (۳۱) سال حکومت کی اس لئے کسی طرح اس کا مکمل ہو کر سلطان کے حضور میں پیش ہونا صحیح نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اس کا آغاز سلطان کی فرمائش سے بیان کیا جاتا ہے۔

شاہنامہ کا انتساب

فردوسی نے شاہنامہ کو احمد بن محمد بن ابی بکر الاصفہانی رئیس خان النجان (ایک ناحیہ ہے اصفہان کے قریب) کے نام پر معنون کیا ہے ؏

اگر سال نیز آزردت امد است   ہم سال و ہشتاد و پاسی صد است

چو در خان النجان فرود آمدم   بہر چہ بگوئی نیاز آمدم

مراسوے خان خودش راہ داد   چو با من بدیدہ بخرگاہ داد

خداوند این دفتر بندہ کرد   لب ہر مرادم پر از خندہ کرد

گرانمایہ احمد کہ ہم سال او   بجوید بہر جائے از آل او

زبا باش جوئے تونام درست ‌‌‌ ابوبکر آخر محمد نخست

(فہرست چارلس ریو مخطوطات فارسی جلد دوم صفحہ ۵۳۴)

ایک جگہ فردوسی لکھتا ہے ؎

جہاں تا بود شہریاراں بود ‌‌‌ پیامم بر تاجداران بود

کہ فردوسی طوسی پاک جفت ‌‌‌ نہ این نامہ برنام محمود گفت

بنام نبی و علی گفتہ ام، ‌‌‌ گہرہائے معنی بسے سفتہ ام

یہاں نبی و علی کے نام پر معنون کرتا ہے صرف نبی و علی کے نام پر کوئی صاحب عقل اس کو قبول نکریگا۔ شاہنامہ ایسا کون سا ثواب کا کام یا دینی خدمت تھی جو ان مکرم و معظم ہستیوں کے نام نامی پر معنون کیجاتی۔ نبی و علی تو اسے کیا پسند فرماتے اس کو تو کسی نے بھی قبول نہیں کیا۔ روایت لکھی جا چکی ہے کہ خواجہ ابوالقاسم نے اسوجہ سے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اسپہبد شہریار سے اس کے نام پر معنون کرنے کو کہا اس نے انکار کر دیا۔ اور کسی قیمت کی قابل بھی نہ سمجھا یہ کہا (اندک چیزے ترا دہم) شاہنامہ کے جواب میں اسی زمانہ میں عمر نامہ تصنیف ہوا تھا۔ اسی تصنیف پر تو آشوب تورانی فردوسی سے برہم ہے اور کہتا ہے ؎

کہن موبد وجہ نان مجوس ‌‌‌ بہر دخمہ نوحہ خوان مجوس

دلش گبر و جان گبر و گبری زباں ‌‌‌ ز گبران بگیری زبان قصہ خواں

نویسندۂ داستان مغان ‌‌‌ بزرگی دہ خاندان مغان،

خواجہ سعدی شیرازی کا بھی اظہار ناراضی اس طرح مشہور ہے ؎

۴ ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر فارغ العقل بھی تھا کہ فارسی ہجا میں معنون کرتا ہے

اگرچہ چاہ نصرانی نہ پاک است	جہود مردہ می شوئی چہ باک است

آشوب اسی شعر کی طرف اشارہ کرتا ہوا فردوسی کو مخاطب کرتا ہے ؎

ازین پیشتر سعدی بے بدل	بجٰی تو گو یا سرود این مثل
اگر چاہ نصرانیاں نیست پاک	بشوئی اگر مردہ گیری چہ باک

دوسروں کا تو جو خیال تھا تھا ہی۔ فردوسی نے خود بھی اس کام کو گناہ شمار کیا ہے۔ ریاض الشعرا میں ہے

"حکیم مذکور (فردوسی) بعد از گفتن شاہنامہ و رفتن از غزنین یکبارہ آن یوسف زلیخا در ہمان بحر گفتہ است"

فردوسی کا خود اقرار یہ ہے ؎

بسے رنج بردم بسے گفتہ خواندم	ز گفتار شاہان و از پہلوانی
بچندیں ہنر شصت و دو سال بودم	کہ توشہ برم زاشکار و نہانی
بجز حسرت و جز و بال گناہان	ندارم کنوں از جوانی نشانی
بیاد جوانی کنوں مویہ دارم	دریغا جوانی، دریغا جوانی

اور اپنی یوسف زلیخا میں کہتا ہے ؎

ازان تخم کشتن پشیمان شدم	زبان را و دل را گرہ بر زدم
نگویم کنوں نامہائے دروغ	سخن را ز گفتار ندہم فروغ
کنوں گر مرا روز چندے بقاست	دگر نسپرم جز ہمہ راہ راست
نگویم دگر داستان ملوک	دلم سیر شد ز داستان ملوک
ز پیغمبران گفتہ بایہ سخن	کہ جز راستی شان نبد ہیچ و بن

یہ شاعر ایسا نادان تھا کہ طومار دروغ کو نبی و علی کے نام پر معنون کرتا تھا اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس وقت ایسا نہ سمجھتا تھا تو جو جھوٹ بولنے والا جھوٹ بولتے وقت یہ نہ سمجھے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں ایسے کو فاتر العقل سے بھی اوپر کوئی مرتبہ دیا جائیگا۔

یوسف زلیخا کا فردوسی کی تصنیف سے بیان کرنا بھی صحیح نہیں سنہ ۹۰۰ھ یعنی فردوسی کے عہد سے پانچ صدی بعد اس کا نام آتا ہے، پانسو برس تک کوئی یوسف و زلیخا فردوسی کا ذکر نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ یوسف زلیخا کی نظم نہایت سست ہے اور اس میں فردوسی کی زبان و استعمال کے خلاف محاورے ہیں مثلاً یوسف زلیخا میں ہے ؎

بدیں سان خرید و فروش افتاد | ستد یوسف آن درمہا بداد

فردوسی خرید و فروش نہیں لکھتا۔ خرید و فروخت لکھتا ہے

پراز خورد و داد و خرید و فروخت | تو گفتی زما چشم ایشان بدوخت

(شاہنامہ)

یوسف زلیخا میں عماری تشدید ہے ؎

کہ از مہد و عمّاری زرنگار | شود خیرہ چشم و دلِ روزگار

فردوسی تشدید نہیں لاتا ؎

عماری بماہ نو آراستہ | پس پشت او اندروں ساختہ

(شاہنامہ)

اسی طرح ایک دو نہیں۔ یوسف زلیخا میں بکثرت ایسے الفاظ و محاورات ہیں

جو فردوسی کی زبان کے خلاف ہیں۔

شاہنامہ کے سرپرست

سابقہ بیانات میں ذکر ہو چکا ہے کہ بودلف، تعلے ویلم منصور گورنرطوس ارسلان خان گورنر طوس۔ حی قتیبہ گورنر طوس، یہ شاہنامہ کے سرپرست تھے سلطان محمود کا بھی نام لیا گیا ہے ؎

مرا نظم شہنامہ فرمود شاہ — درآں دم کہ بنشست شاداں بگاہ

سلطان محمود اور شاہنامہ کی فرمائش

سب سے پہلا راوی صاحب چہار مقالہ تو بیان کرتا نہیں کہ سلطان نے شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی وہ تو صاف لکھتا ہے کہ سات جلدوں میں شاہنامہ لکھکر لیگئے۔ براؤن مشہور مستشرق نے اسی وجہ سے ادبیات عجم میں یہ لکھا ہے کہ شاہنامہ کا سکینڈ ایڈیشن محمود کے دربار میں پیش ہوا، اگر اس تحقیقات کو صحیح مانا جائے تو فرمائش کا جھگڑا ہی رفع ہو جاتا ہے۔ دوسرے تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے طرح طرح کی رنگ آمیزی اس قصہ میں کی ہے اور کوئی اپنا ماخذ نہیں بتاتا۔ اس فرمائش کو بھی مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے، گذشتہ بیانات سے تمام اختلاف ظاہر ہو جاتے ہیں۔ فردوسی کے سر یہ بیان مڑھا گیا ہے ؎

مرا نظم شہنامہ فرمود شاہ — درآندم کہ بنشست شادان بگاہ

کہ بخشد زہر بیت زر یکدرم — ہر آنچہ آیم نظم از بیش وکم

اس بیان کی غلطی تاریخی حساب سے ثابت ہوتی ہے جو ہم نے شاہنامہ کے

سال آغاز میں لکھا ہے کہ مختلف بیانات و حساب سے ۳۱۶ھ سے ۳۷۴ھ تک پچیس سال آغاز شاہنامہ کے ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا عدد ۳۷۴ھ ہے۔ اس کے بعد کوئی سن کسی حساب سے آغاز تصنیف شاہنامہ کا ثابت نہیں ہوتا اور سلطان محمود تخت نشین ہوا ۳۸۷ھ میں لہذا یہ تمام روایتیں سرتاپا غلط ہیں۔

وعدۂ انعام

جب سلطان کا شاہنامہ کی فرمایش کرنا ہی ثابت نہیں تو وعدۂ انعام کہاں؟ اس قصہ کا راوی اوّل صاحب چہار مقالہ کہتا ہے کہ سات جلدوں شاہنامہ لکھکر لیگئے۔ اور دربار سلطانی میں رسائی کی تدبیر کی جب باریاب ہوئے تو سلطان نے مصاحبوں سے دریافت کیا کہ فردوسی کو کیا دیا جائے اگر وعدہ ہو چکا ہوتا تو یہ دریافت نکیا جاتا اور اگر دریافت کیا جاتا تو فردوسی کا محسن شاہنامہ کا پیش کرنیوالا حسن میمندی صاف کہتا کہ آپ کا وعدہ فی شعر ایک اشرفی کا ہے۔

اسی روایت میں ہے کہ فردوسی والی طبرستان کے پاس گیا اس سے سب کچھ کہا مگر وعدہ انعام کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ تھا ہی نہیں۔

سلطان کی ہندوستان والی حکایت جس میں وزیر نے یہ شعر پڑھا (اگر جز بکام من آید جواب) میں سلطان نے حسن میمندی سے کہا کہ غزنیں پہنچکر یاد دلانا اسکو کچھ بھیجدیا جائیگا۔ اگر انعام کا وعدہ ہوتا تو سلطان یوں کہتا کہ

کچھ بھیجدیا جائے گا بلکہ یوں کہتا کہ اس کا انعام بھیجدیا جائیگا۔ اور اگر سلطان اس طرح کہتا تو حسن میمندی فوراً کہتا کہ حسب وعدہ انعام بھیجنا چاہئے لیکن وعدہ کا تو کہیں نام نہیں آتا۔

دولت شاہ لکھتا ہے۔

"اورا (فردوسی) طمع آن بود کہ سلطان درحق او احسان بزرگ بجائے آورد مثل ندیمی مجلس خاص واقطاع چون خاطر سلطان بدو گران شدہ صلہ کتاب شاہنامہ شصت ہزار درم نقرہ انعام فرمود کہ بیتے را ہزار درم نقرہ باشد فردوسی بغایت این انعام را درحق خود حقیر دانست اما پسند و ببازار شد و حمام در آمد"

اگر وعدہ ہوتا تو فردوسی ایفاء وعدہ ہی کی امید کرتا یہ عہدہ کی امید خود ظاہر کرتی ہے کہ کوئی وعدہ نہ تھا۔ فردوسی کے ایک شعر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ عہدے کا طالب تھا ؎

بہ نیکی نہ بد شاہ را دستگاہ | دگرنہ مرا برنشاندے بگاہ

دیباچہ قدیم میں ہے کہ فردوسی بھاگ کر سلطان کے بھائی امیر نصر ابن ناصر الدین والی سجستان وسپہ سالار کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ سلطان نے میری کتاب پر غور نہیں کیا اور سب کچھ کہا مگر وعدہ کا ذکر نہیں کیا اگر وعدہ ہوتا تو ذکر ضرور کرتا ؎

چنیں شہریارے وبخشندہ | بگیتی ز شاہان درخشندہ
نکرد اندریں داستانہا نگاہ | ز بدگوئے وبخت بد آمد گناہ

حسد برد بدگوئے در کار من | تبہ شد بر شاہ بازار من

آگے اس سے درخواست کرتا ہے کہ بادشاہ سے سفارش کردے۔

چو سالار شہ این سخنہائے نغز | بخواند بہ بیند بہ پاکیزہ مغز
ز گنجش من ایدونشوم شادمان | کزو دور بادا بد بدگمان
وزاں پس کند یاد بر شہریار | مگر تخم رنج من آید ببار
کہ جاوید باد افسر و تخت او | ز خورشید تابندہ تر بخت او

فردوسی آسمان سے اپنی تباہی کی شکایت کرتا ہے اور اپنی مصیبتوں کو گنتا ہے مگر اس وعدہ انعام کا ذکر نہیں کرتا۔

الا اے برآوردہ چرخ بلند | چہ داری بہ پیری مرا مستمند
چو بودم جوان برترم داشتی | بہ پیری مرا خوار بگذاشتی
بکردار ما در بدی تاکنوں | ہمی ریخت باید بہ رنج تو خوں
وفا و خرد نیست نزدیک تو | پر از رنجم از روئے تاریک تو
مرا کاش ہرگز نہ پروردۂ | چو پروردہ بودی نیازردۂ
ہر آنگہ کزیں تیرگی بگذرم | بگویم جفائے تو یاد آورم
بنالم ز تو پیش یزدان پاک | خروشان بسر بر پراگندہ خاک
چنین داد پاسخ سپہر بلند | کہ اے مرد گوینده بے گزند

(الخ)

غرض وعدہ انعام کا کہیں ذکر نہیں۔

آخری انعام کی روانگی

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ فردوسی کے بھاگنے سے کچھ دنوں کے بعد محمود نے خود نادم ہو کر باقی انعام بھیجدیا جو اس کے مرنیکے بعد پہونچا۔

بعض نے لکھا ہے کہ ہندوستان سے غزنین کو سلطان آرہا تھا۔ ایک باغی کا قلعہ راستہ میں تھا۔ اسکو طلب کیا۔ اس قصہ میں حسن میمندی نے یہ شعر پڑھا (اگر جز بکام من آید جواب) سلطان نے فرمایا غزنین پہونچکر یاد دلانا فردوسی کو کچھ بھیجدیا جائیگا۔ غزنین آکر انعام روانہ کیا۔

بعض نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ غزنین ہی کا ہے ایک باغی کو خط لکھنا تھا سلطان نے سوچا کیا لکھا جائے درباریوں نے کہا، فردوسی کا یہ شعر کافی ہے (اگر جز بکام من آید جواب) اس پر سلطان نے فردوسی کو انعام روانہ کیا۔

صاحب حیات فردوسی نے لکھا ہے کہ جب یہ شعر سُنا آہ سرد کھینچی اور کہا

سی و نه سال رنج و مشقت کشید | که تا نظم شہنامہ در ہم کشید
پسے غوص در بحر خاطر نمود | در فکر ز اندیشہ بر دل کشود
دران راہ چندان تگا در براند | کہ کافور بر مشک و عارض نماند

اور حکم دیا کہ ساٹھ ہزار اشرفیاں بھیجدی جائیں اور فردوسی کو معذرت نامہ بدست خود لکھا یہ خط خزانہ سے پہلے پہونچا۔ فردوسی بہت مسرور ہوا اس کے بعد وہ جنگل میں لڑکے کی زبان سے وہ شعر سنکر بیہوش ہو کر مر گیا۔ خزانہ بعد میں پہونچا۔ یہ مال اس کی بہن کو دیدیا گیا۔ اس نے سرائے تعمیر کرادی اس روایت کے درمیانی حصہ کو اس تغیر سے بھی بیان کیا گیا ہے، کہ

ناصرلک نے فردوسی کو ایک لاکھ روپیہ دیا اور کہا کہ یہ سو شعر بھیجے ہیں تنے فی شعر ہزار کے حساب سے خریدے فردوسی نے وہ بیجواس کے پاس بھیجدی اُس نے اسکو تلف کردیا اور ناصرلک کو اشعار ذیل لکھکر روانہ کئے ؎

بغزنیں مرا گرچہ خون شد جگر | زبیدادآن شاہ بیدادگر
کزان رنج شد رنج سی سالہ ام | شنید آسمان از زمین نالہ ام
ہمی خواستم تا فغانہا کنم، | بگیتی ازان داستانہا کنم
بگویم زمادرش دہم ازپدرش | نترسم بجز از خداوند عرش
کنمش آن چنان روسیاہ از تخت | کہ نتواند آن را بہیچ آب شست
چو دشمن ہمی داندازدوست باز | بہ تیغ زبانش کنم پوستہ باز
ولیکن بفرمودۂ محتشم | نعالم کزین پیش سرخون کنم
فرستادم از گفتۂ داشتم | بنزدیک خود ہیچ نہ گذاشتم
اگر باشد این گفتہ ہا ناصواب | بسوزان بآتش بشویان بآب
گزشتم ایا سرور نیک رائے | ازین داوری تا بدیگر سرائے
رسد لطف یزدان بفریاد من | ستاند بحشر از و داد من،

ان اشعار کو ناصرلک نے اپنے عریضہ کے ساتھ سلطان کی خدمت میں بھیجدیا اور فردوسی کی سفارش کی۔ جب یہ خطا و اشعار پہونچے اسی وقت اتفاق سے سلطان مسجد میں گیا وہاں دیوار پر یہ اشعار نظر آئے جو بھاگتے وقت فردوسی لکھ گیا تھا ؎

خجستہ حضرت محمود زاول آن دریاست | چگونہ دریا کہ اورا کرانہ پیدا نیست

چو غوطہ زدم واندروں ندیدم دُر گناہ بخت من ست این گناہ دریا نیست

ان اشعار کو دیکھکر محمود بجید متاثر ہوا اور فردوسی کے تمام مخالفوں کو دربار سے نکال دیا حسن میمندی پہلے ہی سے نکالا جاچکا تھا اور سلطان نے یہ اشعار کہے ؎

چو فردوسی آن مرد والا گہر، غمین شد زمیمندی بے ہنر
اذیت بسے زان فرومایہ دید وز و بے سبب رنج وحرمان کشید
طبیعت مکافات آغاز کرد سرش بادم تیغ انباز کرد

اس بیان میں جو اشعار فردوسی نے ناصر لک کو بھیجا اور ناصر لک نے سلطان کو بھیجا لکھے ہیں۔ یہ اشعار کسی طرح ہجو سے کم نہیں کیا ایسے اشعار کوئی محکوم حاکم کے پاس بھیج سکتا ہے اور جس شخص نے بادشاہ کی ہجو لکھی ہو جس کی گرفتاری کے لئے بادشاہ نے بچاس ہزار کا اشتہار دیا ہو کیا کوئی ماتحت صوبہ اس کی سفارش کی جرأت کرسکتا ہے کیا ایسے غلط اشعار جواب تک حسن میمندی اور محمود اور فردوسی کے نام سے نقل کئے گئے ہیں ان مشاہیر کے ہوسکتے ہیں میرے خیال میں کوئی اہل علم وعقل ایسی باتوں کو قبول نہیں کرسکتا۔ ان تمام اشعار پر بخوف طوالت اعتراضات نہیں لکھے ورنہ ان میں ایک شعر بھی صحیح نہیں قرار پاسکتا۔ ان اشعار سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ فردوسی نے غزنین سے بھاگتے وقت جو نظم لکھی تھی جسکو ہجو کہا جاتا ہے وہ ہجو نہ تھی کوئی شکایتی نظم ہوگی ورنہ وہ ان اشعار میں یہ نہ کہتا ؎ (اگر باشد این گفتہ ہا ناصواب) کیونکہ موجودہ ہجو تو سراسر ناصواب ہے۔ وہ کوئی

ایسی نظم تھی جس کو ناصواب کہنا مشکل تھا - پھر اس نظم میں لکھتا ہے کہ گویم زمادرش وہم از پدرش) تو گویا اس نظم میں ماں باپ کا ذکر ننھا موجودہ ہجو میں ہے لہٰذا یہ وہ نظم نہیں۔

اگر فردوسی ہجو لکھتا تو چلتے وقت مسجد پر وہ نظم نہ لکھتا (خجستہ حضرت محمود زاول آن دریاست) کیونکہ وہ سراسر مدحیہ ہے۔

اس قصہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فردوسی نے اوّل ایاز سے بھاگنے کے متعلق مشورہ کیا، ایاز نے اس کو زادراہ دیا فردوسی نے ایاز کو ایک لفافہ دیا اور کہا کہ میرے جانے سے بیس دن کے بعد سلطان کو دینا، ایاز نے ایسا ہی کیا - سلطان نے جب اس کو پڑھا تو ہجو تھی - بادشاہ حسن میمندی پر ناراض ہوا کہ اس کمبخت نے مجھے بُرا مشورہ دیا تھا" اس میں دو باتیں غور طلب ہیں - کیا ایاز ایسا احمق تھا کہ ایک بھاگنے والے کے خط کو بغیر دیکھے لیکر بادشاہ کو دیتا اگر دیتا تو کیا سلامت رہجاتا، یہاں تو کہا گیا ہے کہ ایاز نے فردوسی کو زادراہ دیا دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ساٹھ ہزار روپیہ جو اوّل انعام کا ملا تھا - اس میں سے فردوسی نے بیس ہزار ایاز کو دیا - دیباچہ قدیم میں ہے کہ فردوسی دو تین اشعار ہجو کے لکھکر ایاز کو دیگیا تھا - ایاز نے وہ لفافہ عرصہ کے بعد سلطان کو دیا - بعض نے لکھا ہے کہ کتابدار سے کتاب شاہنامہ جو بادشاہ کے پاس رہتا تھا کسی بہانہ سے لیکر اس پر ہجو لکھدی -

انعام کس نے وصول کیا

چہار مقالہ کا بیان ہے کہ فردوسی کی لڑکی نے انعام لینے سے انکار کیا، لہٰذا خواجہ اسحاق کو دیدیا گیا۔ دولت شاہ نے لکھا ہے کہ فردوسی کی بہن تھی، اس نے انعام لینے سے انکار کیا۔ اور وہ مال خواجہ کے سپرد کیا گیا۔
صاحب حیات فردوسی و تاریخ اسلام عباسی نے لکھا ہے کہ فردوسی کی بہن نے انعام لے لیا۔

انعام کا مصرف

چہار مقالہ کا بیان ہے کہ مذکور انعام سے خواجہ ابوبکر اسحاق کرامی نے طوس کے قریب مرو و نیشاپور کے راستہ پر سرائے اور کنواں تعمیر کرایا۔
صاحب حیات فردوسی نے لکھا ہے فردوسی کی بہن نے انعام لیکر سرائے تعمیر کرادی۔ تاریخ اسلام عباسی میں ہے کہ اس روپیہ سے فردوسی کا مقبرہ بنوایا گیا۔ یہ نہیں لکھا کس نے بنوایا۔

ہجو گوئی

ایشیائی شعرا ہجو گوئی میں مشاق اور اس کے مشتاق ہوتے ہیں مرزا سودا کا قول ہے جو ہجو نہیں کہتا وہ آدھا شاعر ہے مرزا کا ایک اور واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص نے ان سے درخواست کی کہ مجکو شاعری سکھادو۔ مرزا نے کہا ہجو لکھو اُس نے کہا میں کس کی ہجو لکھوں مرزا نے کہا کہ تو میری ہجو لکھ میں تیری لکھوں۔
شاعر آج جسکی ہجو لکھتا ہے کل اس سے کچھ فائدہ ہونے پر اس کی مدح میں

زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ آج جس کی مدح لکھتا ہے کل اُس سے
جا بیجا رنج پہونچنے پر اس کی مذمت میں وہ خاک اُڑاتا ہے کہ توبہ توبہ۔
فردوسی خود کہتا ہے ؎

کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا ہجا تا قیامت بماند بجا

اس لئے کسی شاعر کی ہجو کو دیکھکر کسی معتقد آدمی کے اخلاق و عادات
پر حملہ کرنا دانشمندی سے بعید ہے۔

شاعروں کی مدح وذم پر تاریخی مسایل طے نہیں ہو سکتے۔ ذوق غالب
بے کس و بے بس ظفر بہادر شاہ کو شہنشاہ ہفت کشور سکندر بخت دارا حشم
بتاتے ہیں۔ اس جماعت کا تو وہ مسلک ہے ع

جس کا کھاتے ہیں اس کا گاتے ہیں

فردوسی کے واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بڑا ہجو گو تھا اُس نے
اپنے کئی محسنوں کی ہجو لکھی ہے۔ دقیقی مر چکا تھا اس سے اس کا کوئی واسطہ بھی
نہ پڑا تھا۔ اس نے ایکہزار اشعار دقیقی کے اظہار ممنونیت کر کے شاہنامہ میں
شامل بھی کئے اِس پر اُس کو اس طرح یاد کرتا ہے ؎

من این زان نوشتم کہ تا شہریار بداند سخن گفتن نابکار

اس شعر سے ثابت ہے کہ یہ شاعر احسان فراموش حق پوش ناحق کوش
تھا، دقیقی کا کلام کسی طرح اس کے کلام سے کم نہیں۔ وہ بھی عربی الفاظ استعمال
نہیں کرتا۔ نمونہ کلام دقیقی ؎

نیایش ہمی کرد خورشید را چنان بردہ بد راہ جمشید را

چو گستاسپ برشد بہ تخت پدر | کہ فر پدر داشت بخت پدر
بسر بر نہاد آن پدر دادہ تاج | کہ زیبندہ باشد بر آزادہ تاج
منم گفت یزدان پرستندہ شاہ | مرا ایزد پاک داد این کلاہ
بدان داد مارا کلاہ بزرگ | کہ بیرون کنم از رمہ میش گرگ

عنصری کا نوکر رہا۔ اس کا نمک کھایا اس نے دربار شاہی میں پہونچایا اسکو لکھتا ہے ؎

چہ سنجد بمیزان من عنصری | گیا چون کشد پیش گلبن سری

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہجو گوئی میں یہ فحش پر اُتر آتا ہے ؎

نباشد جز از بے پدر دشمنش | کہ یزداں بآتش بسوزد تنش
بدل ہر کہ بغض علی کرد جائے | ز مادر بود عیب آن تیرہ رائے
کہ ناپاک زادہ بود خصم شاہ | اگر چند باشد بایوان گاہ

ایک فحش نویس محسن کش کی ہجو پر قرون وسطیٰ کے فاتح اعظم قدر دان قدر شناس ہنر و اہل ہنر کو بدنام کیا جاتا ہے ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

ہجو کی قیمت اور خریدار

شہریار نے ایک لاکھ درہم دے کر ہجو خریدی۔ شہریار نے (۶۰) مثقال سونا دے کر ہجو خریدی۔ ناصر الملک نے ایکہزار مثقال چاندی دےکر ہجو خریدی۔ ناصر لک نے ایک لاکھ روپیہ دے کر ہجو خریدی۔

یہ چار اقوال ہیں۔

فردوسی نے ہجو نہیں لکھی

یہ بیان کیا گیا ہے کہ فردوسی نے تین شعر ہجو کے لکھکر لفافہ میں بند کرکے ایاز کو دیئے اور چلتے وقت مسجد پر یہ اشعار لکھ گیا ؎

خجستہ حضرت محمود زاول آن دریاست — چگونہ دریا کہ او را کرانہ پیدا نیست

کوئی اہل عقل اس کو باور کریگا کہ وہاں تو ہجو لکھکر بھیجی یہاں مدح لکھ گیا۔

یہ روایت بھی نقل کیجا چکی ہے کہ فردوسی محمود کے بھائی نصر کے پاس گیا اور اس سے انعام اور دربار شاہی میں سفارش چاہی۔ کیا ہجو لکھنے کے بعد اسکو یہ جرأت ہوسکتی تھی۔

سب سے پہلے جو نسخہ شاہنامہ کا مرتب ہوا ہے اس کو اسد خان آشوکی نے اسپین میں مرتب کیا اس میں ہجو نہ تھی۔ اگر فردوسی نے ہجو لکھی ہوتی تو اس میں ضرور ہوتی۔

موجودہ ہجو فردوسی کی تصنیف نہیں

اس روایت کا دارومدار چہار مقالہ پر ہے صاحب چہار مقالہ لکھتا ہے کہ وہ ہجو شہریار نے فردوسی سے لیکر تلف کردی۔ فردوسی نے بھی مسودہ تلف کردیا یہ چھ شعر باقی رہگئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چھ کیونکر رہگئے یہ تلف کیوں نہ ہوئے اور دس کیوں نہ رہگئے۔ بعض نے ناصر لک کا ہجو لیکر تلف کرانا بیان کیا ہے اور جو ہجو فردوسی نے لکھی تھی جسکو ناصر لک نے تلف کرایا وہ کیسی تھی اس کے متعلق خود فردوسی لکھتا ہے (اگر باشد این گفتہا ناصواب) یعنی وہ ایسی نظم تھی کہ اس کو ناصواب کہنا مشکل تھا، گویا وہ ایک شکایتی نظم تھی

اور یہ چھ شعر سراسر نا صواب ہیں لہذا یہ اس کے نہیں ہو سکتے، پھر اسی نظم میں آگے لکھتا ہے (کہ گویم ز مادرش وہم از پدرش) یعنی میں اس کے ماں باپ کے متعلق لکھتا گویا اس نظم میں ماں باپ کا ذکر نہ تھا۔ لیکن ان چھ شعروں میں ماں باپ کا ذکر ہے (پرستار زادہ نیاید بکار) لہذا یہ اشعار فردوسی کے نہیں ہیں۔

سب سے پہلا راوی صاحب چہار مقالہ چھ شعر لکھتا ہے اور قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں (۶۹) نقل کئے ہیں۔ یہ کہاں سے پیدا ہوئے ان میں بعض دیباچہ بایسنغر خانی کے ہیں بعض کسی نسخے میں نہیں نول کشور کے مطبوعہ نسخے میں (۱۰۲) اشعار ہیں۔ دیگر مطابع کے نسخوں میں (۱۰۵ و ۱۲۴) بعض نسخوں میں (۲۰۰) بعض میں اس سے بھی زیادہ، کتب خانہ آصفیہ میں تین نسخے ہیں۔ تینوں میں کم و بیش اشعار ہیں۔ اس ہجو کے اشعار بے قاعدہ اور اسد رجہ سست ہیں اور ان میں ایسی غلطیاں ہیں کہ کسی معمولی شاعر کا کلام بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور فردوسی تو خدائے سخن تھا۔ پہلے فردوسی کا رنگ اور زور کلام اور روانی دیکھئے پھر اس ہجو پر نظر کیجئے۔

کلام فردوسی

پاسخ فریدوں سلم و تور را

چو بشنید شاہ جہاں کدخدائے ۔۔۔ پیام دو فرزند ناپاک رائے

بیکایک بمرد گرانمایہ گفت ۔۔۔ کہ خورشید را چوں توانی نہفت

نہاں دل آں دو مرد پلید ۔۔۔ زخورشید روشن تر آمد پدید

شنیدم ہمہ ہرچہ گفتی سخن ۔۔۔ نگہ کن کہ پاسخ چہ یابی زمن

ہجو پر نظر

ماہران فن آگاہ ہیں کہ ہجو کی تعریف یہ ہے کہ کسی واقعی امر کی غلط نہ کہی جائے اور جس کی ہجو کہی جائے اس کے متعلق کوئی مدحیہ لفظ نہ آئے

بعض نسخوں میں ہجو کی ابتدا اس شعر سے ہے ؎

الا اے خردمند صاحب ہنر | بگفتار و کردار من درنگر

اس شعر میں بھی اختلاف ہے بعض نے صاحب خبر کی جگہ اہل ہنر اور کردار کی جگہ اشعار لکھا ہے، صاحب اور خبر یہ عربی الفاظ ہیں صنعت لزوم کے خلاف ہیں۔ بعض نسخوں میں ابتدا اس شعر سے ہے ؎

ایا شاہ محمود کشور کشا | ز کس گر نترسی بترس از خدا

اس شعر میں اختلاف ہے کسی نے ایا کی جگہ ایا کسی نے الا لکھا ہے۔ کسی میں زکس کی جگہ کہ کس ہے، کشور کشا کی جگہ کشور خدا ہے، کشور کشا ہو یا کشور خدا دونوں الفاظ مدحیہ ہیں۔

بعض نسخوں میں ابتدا اس شعر سے ہے ؎

بداں شہریارا کہ این روزگار | نماند بسے بر کسے یادگار

بعض نے بداں کی جگہ ببیں لکھا ہے۔

اس ہجو کے بعض مصرعے شاہنامہ کے متفرق مقامات سے لئے گئے ہیں مثلاً (پدر از صفاہاں بد آہنگری) یہ مصرعہ گیو پر طنز کا ہے۔

بعض مصرعے دوسرے شاعروں کے ہیں مثلاً

(فریدون فرخ فرشتہ نبود) یہ مصرعہ سعدی شیرازی کا ہے۔

کف شاہ محمود عالی تبار　　نہ اندر نہ آمد سہ اندر چہار

کف، عالی یہ عربی الفاظ ہیں۔ عالی تبار مدحیہ لفظ ہے۔

ندیدی تو ایں خاطر تیز من　　نیندیشی از طبع خونریز من

بعض نسخوں میں نیندیشی کی جگہ نترسیدی ہے۔ طبع عربی لفظ ہے، طبع کی صفت خون ریز نہیں۔ شمشیر کی صفت خونریز ہے اگر طبع کی جگہ تیغ کہا جائے تو اس کا محل نہیں۔ ایک شاعر دھمکیاں دے رہا ہے نہ کہ سپاہی اگر طبع کی صفت خونریز فرض کیجائے تو وہ کسی معشوق یا سپاہی کی طبع ہوگی نہ کہ شاعر کی

کہیں خطابیہ اشعار ہیں ؎

مرا ہم کردی کہ دریائے پیل　　تنت را بسایم چو دریائے نیل

بعض نسخوں میں کردی کی جگہ دادی ہے، دریا کا پاؤں کے نیچے پسینا یا ملنا کسی زبان کا محاورہ نہیں نہ موزوں ہے۔ خاک کا پاؤں کے نیچے ملنا یا پسینا کہا جاتا ہے۔

کہیں جمع غایب ہے ؎

مرا غمز کردند کان پرسخن　　بمہر نبی و علی شد کہن،

شاعر کہنا چاہتا ہے کہ مجھکو فرسطی کہا گیا کیونکہ امر واقعہ یہی تھا مگر نہیں کہہ سکا ادائے مطلب پر قادر نہیں کہا تو یہ کہا (بمہر نبی و علی شد کہن) مہر نبی و علی کے مدعی تو سنی بھی ہیں۔ سلطان محمود کا بھی یہی دین و ایمان تھا۔

(غمز کردن۔ اتہام لگانا) شاعر کہتا ہے کہ مجھے اتہام لگایا گیا۔ کہ اس کو نبی و علی کی محبت ہے۔ گویا درحقیقت اسکو نبی و علی کی محبت نہیں یہ اس کے

سرالزام ہے ؎

من از مہر این ہر دو شہ نگذرم اگر تیغ شہ بر رود بر سرم

یہ شعر بھی مطلب ادا نہیں کرتا، نبی و علی کی محبت چھوڑنے کو کون کہہ سکتا ہے نہ یہ کہا گیا تو قرمطی بودہ) اور قرمطی عقاید سے تائب ہونے کو کہا تھا۔ مہر نبی و علی کا تو ذکر ہی نہ تھا۔ شاعر کیا کہنا چاہتا تھا اور کیا کہہ گیا۔

سنہ ۶ تک رسول کریم اور بزرگان دین کے لیئے لفظ شہ استعمال نہیں ہوتا تھا سنہ ۶ کے بعد والوں نے یہ لفظ ائمہ دین کیلئے استعمال کیا ہے۔ فردوسی چوتھی صدی کا آدمی ہے، لہذا یہ شعر اس کا نہیں ہو سکتا۔

دونوں مصرعوں میں شہ آیا ہے۔ مصرعہ ثانی میں بر دو دفعہ آیا ہے یہ بھی بڑا عیب ہے

برین بودم و ہم برین بگذرم ثنا گوئے پیغمبر و حیدرم

مصرعہ اولی کئی طرح منقول ہے (بریں بودہ ام ہم برین بگذرم) اور (برین زادم و ہم برین بگذرم)۔ مصرعہ ثانی بھی کئی طرح ہے۔ (یقین دان کہ خاک در حیدرم) اور (یقین داں کہ خاک پئے حیدرم) اور (بپندار خاک در حیدرم) اور (یقین دان کہ خاک در حیدرم)

یہ شعر بھی شاعر کا مطلب پورا نہیں کرتا۔ ثناء پیغمبر و حیدر کا تو سوال ہی نہ تھا

اگر مہر شان من حکایت کنم چو محمود را صد حمایت کنم

یہ شعر مہمل ہے مصرعہ ثانی کے کچھ معنی نہیں اور مصرعہ اولی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میں مدت سے سوچتا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے بڑی

امید ہے میں نے رسالہ احسن الرسالہ ترجمہ چہار مقالہ کو (جسکو کئی گریجویٹ فاضلوں نے تصنیف کیا ہے) دیکھا تو یہ مطلب لکھا ہے کہ اگر میں حقیقی طور پر نبی و علی کی محبت بیان کروں تو محمود جیسے سو کی مدد کروں"

غور کرنے کا مقام ہے یہ کیا مطلب ہوا۔ دونوں مصرعوں کا کیا تعلق ہوا محبت بیان کرنے اور محمود کی مدد کرنے کا کیا علاقہ، صرف چہار مقالہ اور فردوسی کا نام دیکھکر مرعوب ہو گئے۔ اور نہ کہ سکے کہ مہمل ہے۔ (سخن فہمی عالم بالا معلوم شد)۔

بعض ایسے اشعار ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کہنے والا کوئی اور ہے فردوسی نہیں سے

که فردوسی طوسی پاک جفت ... نہ این نامہ بر نام محمود گفت
چو فردوسی اندر زمانہ نبود ... بدان بد کہ بخشش یگانہ نبود
ہر آن کس کہ در دلش بغض علی است ... ازو در جہاں خوار تر گو کہ کیست

اس شعر پر بھی وہی اعتراض ہے جو اس قسم کے پہلے شعروں پر ہے کہ یہ غیر متعلق معاملہ ہیں جو مطلب ہے اُس کو ادا نہیں کرتے،

جہاں تا بود شہر یاراں بود ... پیامم بر تاجداراں بود

شہر یاراں جمع ہے یہاں جمع کا صیغہ ہونا چاہئے اگر مصرعہ اولی میں بوند پڑھا جائے تو مصرعہ ثانی بوذند پڑھنے سے غلط ہو جائے گا۔

ہر آنکس کہ شعر مرا کرد پست ... نگردش گردوں گردندہ دست

دوسرا مصرعہ مہمل ہے پہلے مصرعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور یہ شعر

بے محل ہے یہ تو کہیں شاعروں کے معرکہ کا ہے شاہنامہ کے متعلق بلندی و پستی کی بحث ہی نہ تھی جھگڑا تو قرمطی ہونے کا تھا۔

چو پرویز و ہرمز چو پورش قباد   چو خسرو کہ پرویز نامش نہاد

شاہنامہ شاہان ایران کی تاریخ ہے فردوسی ماہر تاریخ ایران تھا۔ اس شعر میں عظیم الشان تاریخی غلطی ہے کہ مصرعۂ اولیٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ پرویز کا بیٹا ہرمز تھا حالانکہ ہرمز کا بیٹا پرویز تھا۔

پے افگندم از نظم کاخ بلند   کہ از باد و باران نیابد گزند

پے کے معنی واسطے یا پیچھے یا پاؤں کے ہیں۔ اس شعر میں بنیاد کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ کاخ کیلئے پے افگندن غلط محاورہ ہے جس کو کسی استاد نے استعمال نہیں کیا۔

بر بادشہ پیکرم زشت کرد   فروزندہ اخگر چو انگشت کرد

بعض نسخوں میں پیکرم کی جگہ صورتم ہے انگشت یعنی انگیٹھی، اخگر کے لئے یہاں زغال یعنی کوئلہ آنا چاہیے تھا۔ انگشت موزوں نہیں۔

چو گفتار شہ می کند زر لسیم   نیامد نہیں نام او جز لئیم

لئیم عربی لفظ ہے زر لسیم کے معنی سونا چاندی ملانا لیکن شاعر کا مطلب یہ ہے کہ سونے کے بدلے چاندی۔ مصرعہ یہ مطلب ادا نہیں کرتا۔

نکردی تو در نامہ من نگاہ   کہ روزی نبودت نکوئی ز شاہ

مصرعہ آخر میں شاہ صرف قافیہ کیلئے آیا ہے جو ایک امر معیوب ہے شاعر کہنا چاہتا ہے کہ اے بادشاہ تیری قسمت میں نیکی نہ تھی۔ مصرعہ کا مطلب

یہ ہے کہ تیری قسمت میں بادشاہ سے نیکی نہ تھی۔

محمود کو مخاطب کرکے شاہان ایران کے نام گنا کر کہتا ہے۔

ہمہ داد کردند بر زیر دست ‏ ‏ نبودند جز پاک یزدان پرست

نکردند جز خوبی و راستی ‏ ‏ نگشتند گرد کم و کاستی

یہ بیان واقعیت کے اور تاریخ کے خلاف ہے اس لئے فردوسی مؤرخ کا بیان نہیں ہوسکتا کیونکہ شاہان ایران میں ضحاک، بہرام ثانی یزدجرد الاثیم بڑے بڑے ظالم گذرے ہیں، کم و کاستی محاورہ نہیں، کم و کاست یا کمی و کاستی ہے فردوسی اس محاورہ کو خود شاہنامہ میں اس طرح استعمال کرتا ہے ؎

ہنر مردمی باشد و راستی ‏ ‏ ز کژی بود کمی و کاستی

مرا زین جہاں بے نیازی دہد ‏ ‏ میان یلاں سرفرازی دہد

یلاں یعنی جوانان پہلوانان یہ لفظ بے محل ہے میدان جنگ یا اکھاڑا نہ تھا۔ فردوسی کوئی سپاہی نہ تھا۔ علمی بزم ہے سخنوران یا علما ہونا چاہئے تھا

ورا از جوئے خلدش بہنگام آب ‏ ‏ بہ بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب

انگبیں اور شہد ایک ہی چیز ہے۔ اس طرح استعمال مترادفات صحیح نہیں (بہ بیخ) ایک حرف (ب) ایک ہی مصرعہ میں دوبار متصل آیا یہ معیوب ہے

ز خسرو نژادے زوالا سرے ‏ ‏ پدر از صفاہان بد آہنگرے

بعض نسخوں میں مصرعہ اولیٰ یوں ہے (نہ خسرو نژادے نہ والا سرے) دونوں مصرعوں میں ربط نہیں اگر دوسرا مصرعہ تنہا پڑھا جائے تو سامع

فیصلہ نہیں کرسکتا کہ شاعر اپنے باپ کو کہتا ہے یا دوسرے کے۔

بسے رنج کردم درین سال سی عجم گرم کردم بدین پارسی

بعض نسخوں میں عجم گرم کی جگہ عجم زندہ کردم ہے عجم عربی لفظ ہے مصرعہ اولیٰ میں سال کے نیچے کسرہ پڑھا جائیگا جب مصرعہ صحیح ہوگا ورنہ (سالسی) کوئی لفظ نہیں اور یہی کسرہ مصرعہ ثانی میں پڑھا جائیگا تو مصرعہ ثانی کا قافیہ مہمل ہوجائیگا اور اگر نہ پڑھا جائیگا تو مصرعہ اولیٰ کا قافیہ مہمل رہے گا۔

کنوں عمر نزدیک ہشتاد شد امیدم بیکبارہ برباد شد

بعض نسخوں میں ہشتاد کی جگہ ہفتاد ہے۔ عمر عربی لفظ ہے۔ پہلا مصرعہ تنہا پڑھا جائے گا تو سامع نہیں سمجھ سکیگا کہ شاعر کس کی عمر کو کہتا ہے۔

چو دیہیم دارش نہ بد در نژاد ز دیہیم داران نیاورد یاد

یہ مضمون واقعیت اور تاریخ کے خلاف ہے اس لئے فردوسی مورخ کا نہیں ہوسکتا محمود سلطان سبکتگین کا بیٹا تھا۔ شہنشاہان ایران کی نسل سے تھا۔ اس کا نسب نامہ کتب تاریخ میں اس طرح منقول ہے

محمود بن سبکتگین بن قرحکم بن قرارسلان بن قرالملت بن قرالمغان ابن فیروز بن یزدجرد شہنشاہ ایران (تاریخ فرشتہ) سبکتگین اصل میں ایک شہزادہ ایران کا تھا (ہسٹری آف انڈیا جارج ابن کنگ)

دونوں مصرعوں میں ایک ہی لفظ دیہیم دار آیا ہے یہ بھی معیوب ہے۔

یہ شعر بے محل بھی ہے یہ تو جب موزوں ہوتا کہ محمود یوں کہتا کہ ہم کو تاریخ کی ضرورت نہیں اسکو تو خود تاریخ کا سرپرست بتایا گیا ہے جھگڑا تو صرف انعام

کی کمی بیشی کا ہے پھر اس کا کیا محل ہے

اگر شاہ را شاہ بودے پدر
بسر بر نہادے مرا تاج زر

یہ شعر بھی تاریخ اور واقعیت کے خلاف ہے۔ ایک مورخ شاعر ایسی صریح غلط بیانی کی جرأت نہیں کر سکتا۔ محمود سبکتگین کا بیٹا تھا اس میں کسی مورخ کو اختلاف نہیں اور کسی کو کسی قسم کی گنجائش نہیں مل سکتی۔ اہل کمال اس طرح ہجو لکھتے ہیں جس سے صراحت کے ساتھ امر واقعی کی نفی ہو

اگر مادر شاہ بانو بُدے
مرا سیم و زر تا بزانو بُدے

یہ بھی واقعیت کے خلاف ہے۔ محمود کی والدہ امیر زابلستان کی بیٹی تھی۔ فردوسی نے خود اسی وجہ سے لکھا ہے (خجستہ حضرت محمود زاول گزن دریا) بانو بیوی کو کہتے ہیں۔ محمود کی ماں سبکتگین کی بیوی تھی اس میں کسی مورخ کو اختلاف و شبہ نہیں۔ شاعر لونڈی زادہ کہنا چاہتا ہے غیر منکوحہ کی اولاد جیسا کہ اگلے شعر میں کہتا ہے مگر نہیں کہہ سکا

پرستار زادہ نیاید بکار
اگرچہ بود زادہ شہریار

بعض نسخوں میں اگرچہ کی جگہ ور گر چند ہے اس مطلب کیلئے بانو کا لفظ صحیح نہیں۔ شریف، نجیب وغیرہ کوئی ایسا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ یہاں پر شہریار زادہ تسلیم کر رہا ہے اوپر کے شعروں میں اس سے انکار تھا۔ یہ شعر کسی مجنون الحواس کے ہیں فردوسی کے نہیں

چو سلطان دین نبی و علی
بفر الٰہی و شاہ ولی

یہ شعر مہمل ہے اس کا کچھ مطلب نہیں ہو سکتا۔ اس میں شاہ کا لفظ ہے جس